ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور

اپریل 2024ء ۔ شوال/ذیقعد 1445ھ

ان کے آگے وہ حمزہ کی جاں بازیاں
شیرِ غرّانِ سطوت پہ لاکھوں سلام

اے بی سی تصدیق شدہ اشاعت CPL.No:406

ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور

شمارہ 04 | اپریل 2024ء | جلد 32

مدیرِ اعلیٰ
سید ریاض حسین شاہ

ہرچہ من در بزمِ شوق آوردہ ام

1	نعت شریف	حکیم شہاب امروہوی	2
2	گفتنی و ناگفتنی	سید ریاض حسین شاہ	3
3	تبصرہ و تذکرہ	سید ریاض حسین شاہ	8
4	درس حدیث	حافظ سخی احمد	11
5	ریاست مدینہ	ڈاکٹر محمد اظہر نعیم	15
6	ہدیۂ حروف (پیر محمد افضل قادری)	سید ریاض حسین شاہ	17
7	ہدیۂ حروف (الحاج غلام مرسلین)	سید ریاض حسین شاہ	18
8	سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ	ایم۔ایچ اختر	19
9	غزوۂ احد	ڈاکٹر عبدالحسیب سرفراز	21
10	ہدیۂ حروف (احمد عبدالشکور)	سید ریاض حسین شاہ	24
11	مولیٰ، مولائیت اور مولائی	علامہ محمد ارشد	25
12	عیدالفطر	آصف بلال آصف	29
13	حضرت علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ	صاحبزادہ ذیشان کلیم معصومی	31
14	کتاب، علم و تحقیق کا خزانہ	ماسٹر احسان الٰہی	33
15	امیر خسرو کی خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے محبت و وارفتگی	محمد صدیق	36
16	یادیں اور باتیں	حافظ شیخ محمد قاسم	39

مشیر ادارت

ڈاکٹر رضا فاروقی

مجلسِ اعزاز

- علامہ حافظ نور محمد بندیالوی
- محمد نواز کھرل
- سید قیصر عباس شاہ
- انجینئر سرفراز احمد ضیغم
- حافظ محمد زبیر اعوان
- ارشد محمود ارشد
- احد شریف • شیخ محمد راشد

ادارتی معاونین

- ابو محی الدین
- ڈاکٹر منظور حسین اختر
- طالب حسین مرزا
- خادم حسین مرزا
- حافظ محمد عفان منظور

قیمت فی شمارہ

30 روپے

سالانہ خریدار بمعہ ڈاک خرچ

500 روپے

جازکیش، ایزی پیسہ

0323-8400651

بیرون ملک سالانہ

200 ڈالر، 100 پونڈز

رابطہ دفتر: اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 0322-4301986, 042-35838038

ہیڈ آفس: ادارہ تعلیمات اسلامیہ سیکٹر نمبر 3، خیابان سرسید راولپنڈی فون: 051-4831112

E-mail: daleelerah@gmail.com Online Edition: www.daleelerah.com

پبلشر سید ریاض حسین شاہ نے گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر ماڈل ٹاؤن لاہور سے شائع کیا

سید المرسلین

خسروِ کُن فکاں سیدالمرسلین — وجہ خلقِ جہاں ، سیدالمرسلین ﷺ

عظمتِ عرشیاں ، عشرتِ خاکیاں — اے وقارِ جہاں ، سید المرسلین ﷺ

ہے خدا مدح خواں ، یہ تیری عزوشاں — دین کے پاسباں ، سید المرسلین ﷺ

ہے تیری سیر گہ ، عرش ربّ العلا — مرحبا اوجِ شاں ، سیدالمرسلین ﷺ

خادموں میں تیرے در کے روح الامیں — نازشِ قُدسیاں ، سیدالمرسلین ﷺ

ہو گیا نور سے تیرے روشن جہاں — اے مہ ضوفشاں ، سیدالمرسلین ﷺ

حق نے بخشا ہے تاجِ شفاعت تجھے — شافعِ عاصیاں ، سیدالمرسلین ﷺ

سب تری ذات پر اے حبیب خدا — ختم ہیں خوبیاں ، سیدالمرسلین ﷺ

تیرے قدموں سے یہ خار زارِ جہاں — بن گیا گلستاں ، سیدالمرسلین ﷺ

تیرے دم سے بنا دَہر رحمت کدہ — رحمتِ دو جہاں ، سیدالمرسلین ﷺ

عرش پہ جا کے معراج کی شب ہوا — ربّ کا تو مہماں ، سیدالمرسلین ﷺ

زندگی کیف آگیں تیرے نام سے — تجھ سے دل شادماں ، سیدالمرسلین ﷺ

کھل گئی جب زمانے کو مہکا دیا — زلفِ عنبر فشاں ، سیدالمرسلین ﷺ

اک شہابِ حزیں کیا ، ہے سارا جہاں — تیرا رطب اللساں ، سیدالمرسلین ﷺ

حکیم شہاب امروہوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وہ جس نے جماعت کو چھوڑا

انسانی رہنمائی اور ہدایت کا مسئلہ ہر زمانے میں سنجیدہ اور مدبر لوگوں کے درمیان اہمیت کا حامل رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر وہ دور جس کے ڈیوٹ سے رہبری کی مشعلیں لو بانٹنے میں مدھم پڑیں سوچنے والے ذہن غم اور یاس کی یخ بستہ ہواؤں کے سامنے ٹھٹھرنے لگ جاتے ہیں اور ہمہ سو فقدان قیادت کے المیوں پر صف ماتم بچھ جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اچھی قیادتیں پیدا کیوں نہیں ہوتیں؟ عبقری لوگ جنم کیوں نہیں لیتے؟ نابغہ روزگار ہستیاں پردۂ اخفا سے عالم ظہور میں جلوہ گر کیوں نہیں ہوتیں؟ کیا آغوش فطرت میں اب صرف خذف ریزوں کو لوریاں دی جاتی ہیں؟ کیا صرف راکھ کی چند ڈھیریاں ہیں جنہیں انسان نما پیکروں میں ڈھالا جا رہا ہے؟ کیا یہ ٹھیک ہے کہ اب وہ آنکھیں نہیں رہیں جو آفاق پر لرزنے کڑکنے اور تڑپنے والی بجلیوں کا پیغام پڑھ لیں؟ اور اب وہ ذہن نہیں رہے جو مہر و ماہ کی آمد و رفت سے قضا و قدر کے فیصلوں کا مطالعہ کر لیں؟ کچھ تو ہو گیا ہے کہ سفر جاری ہے لیکن ''منزل'' بھاگ رہی ہے۔ ''تلاش'' سرگرم ہے ''مقصود'' عتاب و عذاب کی پگڈنڈیوں پہ الجھا دیا گیا ہے۔ معصوم بچے کندھوں پر منوں بھاری کتابیں اٹھائے سرگرداں ہیں لیکن ان کی پیشانیوں پر عظمت کا ہلال روشن کرنے والی صاحب تقدیر ہستی جیسے ناراض ہو گئی ہو، اقبال کا شاہین محو پرواز ہونا چاہتا ہے لیکن اس کے پر جیسے ماحول کی ظلم سامانیوں نے شل کر دیے ہوں۔ مسجدوں کے پیٹ نمازیوں کے سجدوں سے بھرے ہیں لیکن سجدے عبادت کی بھوک سے تڑپ رہے ہیں، خانقاہوں کے پُرشکوہ مینار دعوت نظارہ دے رہے ہیں لیکن روحانی خوشیوں کی سڑی ہوئی لاشیں اس ظالمانہ جھوٹے تربیتی نظام کا شکوہ کر رہی ہیں۔ دانشکدوں میں تعلیم و تعلم کے شور و غوغا نے آسمان سر پر اٹھایا ہوا ہے لیکن سینوں میں جہالت کے گھپ اندھیروں نے ''وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی'' کا منظر باندھ رکھا ہے۔

مان لیا اور تسلیم کر لیا

قارئین!

کہ قیادتیں پیدا نہیں ہو رہیں لیکن بڑے لوگ ستاروں سے تو نہیں نوچے جاتے

عظیم ہستیاں آسمانوں سے تو نہیں برسا کرتیں

جلیل القدر وجود نہروں سے تو نہیں کشید کیے جاتے

تقدیر بدل ذہن صحیفوں میں تو نہیں اترا کرتے

زمانہ ساز نظریں بتوں سے تو نہیں تلاش کی جاتیں

کارگہ حیات میں ہر چیز کے ہونے کا ایک دستور ہے۔۔۔۔۔جولانگاہ تقدیر میں ہر امر کے ہونے کا ایک اسلوب ہے۔۔۔۔۔نگارخانہ آدم میں ہر نقش میں حیات آفرینی کا ایک قانون ہے۔

وَ لَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا ﴿۲۳﴾ (الفتح:23)

''اور ہرگز تو اللہ کے طریقہ میں تبدیلی نہیں پائے گا''۔

سو آؤ دیکھتے ہیں کہ عظمتیں ملنے کا حقیقی راستہ کون سا ہے اور ہم عظمتیں ڈھونڈنے کدھر جا رہے ہیں۔۔۔۔۔

ہماری نظریں کیا تلاش کر رہی ہیں۔۔۔۔۔

ہمارے قدم کس جانب بڑھ رہے ہیں۔۔۔۔۔

ہم شان و شوکت کے دلدادہ ہیں لیکن اہل عقد و کشا کو دیکھ کر فریب خوری، فریب دہی، فریب زنی، فریب خواہی، فریب پسندی اور فریب آرائی کو ہم شان و شوکت تک پہنچنے کا واحد راستہ قرار دے رہے ہیں۔ ہم عزت کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں لیکن مادہ و دولت کی حرص بے جا نے ہمیں ایسا مخبوط الحواس بنا رکھا ہے کہ دنیا پاگل خانہ نظر آ رہی ہے، جیسے اس میں سب مجنوں ہی رہ رہے ہوں۔ ہم سچے علم تک پہنچنے کی معصوم تمنا رکھتے ہیں لیکن جس نظام تعلیم کی دلدل میں ہم الجھے ہوئے ہیں وہاں صرف کوڑیوں کا دھندا ہوتا ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ انسانی خدمت کا کوئی منصب ملے تو رات دن ایک کر کے ملت کا نام روشن کریں لیکن منصب جب جھک کر سلامی دیتا ہے تو ہماری ترجیحات بدل جاتی ہیں شاید پھر ہم سوچتے ہیں کہ ہماری پوجا کی جائے پرستش ایسی پرستش کہ ہمیں کسی کے سامنے سر اطاعت فگندہ نہ کرنا پڑے۔

مجھے وہ لطیفہ کبھی نہ بھولے گا کہ ہمارے ملک کے ایک معروف بیوروکریٹ کا جب انتقال ہو گیا تو ان کے ایک ساتھی کہنے لگے کہ مرحوم ممدوح تو اویسیہ کے بزرگوں میں سے تھے ساری عمر انہوں نے اپنے آپ کو چھپائے رکھا۔ محفل سے ایک قلندر نے کہا، بیوروکریٹس جتنے بھی ہوتے ہیں ساری عمر اپنے آپ کو چھپائے رکھتے ہیں تاکہ نہ کسی سے شناسائی بڑھے کہ خدمت ارزاں ہو اور نہ کسی کی اطاعت کرنی پڑے۔۔۔۔۔پرستش ہوس پرستش۔۔۔۔۔پوجا نفس کی، خواہش کی اور آرزوؤں کی۔

قرآن مجید کا ارشاد سنیے:

اَفَرَءَيۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰٮهُ (الجاثیہ:23)

''کیا آپ نے دیکھا اُس شخص کو جس نے اپنی خواہش ہی کو الہ بنا لیا''۔

یاد رکھیے! مضبوط قیادت ایسی قوم میں پیدا ہوا کرتی ہے جس کا اجتماعی اور جماعتی نظام مضبوط ہوا کرتا ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ بڑے لوگ ارض حجاز میں پیدا ہوئے۔ زمین نے آج تک اتنا سونا نہیں اگلا ہوگا جتنے بڑے لوگ اس سرزمین نے پیدا کیے ہیں۔ یہ فطرت کی وہ عظیم دانش گاہ ہے جہاں سے عظیم لوگ اس طرح برآمد ہوئے جیسے آسمان سے بارش کے قطرے رم جھم برسنے لگ جاتے ہیں۔

آخر یہیں یہ سب کچھ کیوں ہوا؟

اس لیے بھی کہ یہاں انسان ساز قیادت مصطفی ﷺ کی صورت میں موجود تھی اور اس لیے بھی کہ یہاں کے رہنے والوں نے اپنا جامعتی اور اجتماعی تشخص اس قدر اجاگر کر لیا تھا کہ وہ فرد کی حیثیت میں زندہ نہیں رہتے تھے بلکہ ان کے ہاں زندگی کا تصور جماعت اور اجتماعی فلاح تھی۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے جس نے جماعت کو چھوڑا گویا اس نے اپنے آپ کو دوزخ میں پھینک دیا۔''

ایک سچی اسلامی زندگی کا تقاضا مسلمانوں سے یہ تھا کہ وہ اپنی شیرازہ بندی کرتے اور ایک معاملہ فہم، سنجیدہ، صاحب علم، فضل بے تاب، عشق آگاہ شخص کو اپنا امیر منتخب کرتے اور پھر اپنے صدقات فاضلہ و واجبہ اسی کے سپرد کرتے جن سے وہ اپنی جماعت کی کفالت کرتا لیکن ہوا یہ کہ مسلمانوں نے بجائے اس کے کہ کسی ایک امیر پر متفق ہوتے فروعی مسائل میں اس قدر الجھے کہ اسلام کے جماعتی نظام کو دھچکا لگا۔ وہ اسلام جو تین سفر کرنے والے مسافروں کے لیے بھی یہ لازم رکھتا کہ وہ ایک امیر منتخب کریں اور پھر سفر کا آغاز کریں اس قدر اپنے فکری مرکز سے دور ہٹ گیا کہ نظام امارت اور نظام جماعت دونوں تباہ ہو گئے اور زکوٰۃ اور عشر تک خالصۃً دینی اقتصادی دفعیے بھی غلط کار حکمران اور فاسق فاجر لوگ اکٹھے کرنے لگ گئے۔

یاد رکھیے!

کہ بغیر دوررس اقتصادی منصوبہ بندی کے دیر تک لوگوں کو نفلوں اور وظائف پر راضی نہیں رکھا جا سکتا۔ بہر طور مسلمانوں کے کسی ذی حیات، ذی شعور اور ذی عشق طبقہ کو خالصۃً اس نوعیت کا فکری، عملی اور تحریکی سفر شروع کرنا ہوگا اور بغیر خوف لومۃ لائم اپنے آپ کو اٹھا کر اس آغوش تربیت میں ڈالنا ہوگا جس نے اس نوعیت کے زبردست انسانیت ساز انقلاب کی بنیاد رکھی تھی میری مراد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر با او نہ رسیدی تمام بولہبی است

یہ سب بڑی باتیں ہیں چلئے چھوٹی سطح پر ہم ان اصولوں کی جستجو کرتے ہیں جن سے انسانی اعمال نتیجہ خیز ہوتے ہیں اور قومیں اور ملتیں ''خیر اُمت'' جیسی میٹھی اور حسین منزل تک رسائی حاصل کرتی ہیں۔ اگرچہ یہ بات طے شدہ ہے کہ کامگاری کا وصال آفرین زینہ اطاعت مصطفی ﷺ ہے تاہم پھر بھی یہ بات ذہن کی گرفت میں رکھنے کے قابل ہے کہ زندہ ادارے اور حسین نیتیں ہی ملت ساز ثابت ہوتی ہیں وہ دل جو بننے سنورنے کا جذبہ نہیں رکھتے کامیابی کی لذت سے محروم رہتے ہیں اور وہ دماغ جو بنانے اور سنوارنے کا عزم نہیں سجاتے وہ فلاح کی خوشبوؤں سے مسرور نہیں ہو سکتے اور حسن نیت کی اظہر من الشمس علامت بے لوث جدوجہد ہوتی ہے۔ دیکھتے نہیں کہ ہر رسول اور ہر نبی واضح اعلان کرتا ہے کہ میں اپنے کام پر کسی قسم کے معاوضے کا اعلان نہیں کرتا۔

اب دیکھ لو اپنے قائدین کو
سیاست کے بانیوں کو
الفاظ اور کلمات کی آگ سے اپنی قوم کو جلانے والے مفکرین کو

عوامی جلسوں میں جذبات کی لہروں پر زہریلے تعفن کے خالق خطباء کو

ٹٹولوان کے سینوں کو۔۔۔۔۔

غور سے پڑھوان کی پیشانی کو۔۔۔۔۔

دھیان جماؤان کی خودفراموشی اورقوم فراموشی کی کالک میں ڈوبی ہوئی لن ترانیوں میں اورخود بتاؤ، فیصلہ کرو کہ اپنے شرف وعزت کے خلعت کو پارہ پارہ کرنے والے، تقدیر ملت کی مانگ سے رونق چھیننے والے نالائق انسانوں میں کوئی ایک بھی ایسا ہے جو جرأت سے یہ اعلان کردے۔

اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ ؕ (سورہ ہود:51)

''میرا اجر بس مجھے پیدا کرنے والے کے پاس ہے''۔

حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

''ربّ کریم!

میرے ہر عمل کو صالح بنادے

میں جو کچھ کروں اسے اپنی رضا کا رنگ دے دے

اور کسی کو معاملات میں اس طرح شریک نہ کر کہ تیری

رضا پر وہ غالب آجائے''۔

حسن نیت کے بعد حسن طلب، حسن جستجو، حسن علم، حسن آرزو، حسن حقیقت، حسن سفر مایہ، فوز وفلاح کی کلید فتوح ہوتی ہے۔

اس میں کیا شک ہے کہ زندگی کا ہر دوڑتا ہوا لمحہ کسی گزرے ہوئے لحظے ہی کا وارث ہوتا ہے اور ہر آج کسی کل کا درخشندہ یا پژمردہ عکس ہوتا ہے۔ کچھ یہی حال قوموں اور ملتوں کا واقع ہوا ہے۔ آنے والے جانے والوں کے دیے گئے سرمایہ فکر ونظر کے مظہر ہوتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حکما کے نزدیک سب سے بڑا دانشمند۔۔۔۔۔صاحب حکمت۔۔۔۔۔علم دیدہ۔۔۔۔۔ فضل ور۔۔۔۔۔لائق اور نابغہ روزگار وہ ہوتا ہے جو ہمہ دم اپنی ذات پر سوچ کی یہ گرفت مضبوط رکھے کہ وہ جانے والوں سے کیا سیکھتا ہے اور آنے والوں کے لیے چھوڑتا کیا ہے۔

یاد رہے کہ دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہوتا جو برُائی کرتا ہو بلکہ ہر برُائی کرنے والا برُائی سیکھتا ہے، کچھ یہ معاملہ نیکی کا ہے کوئی شخص نیکی کرتا نہیں نیکی سیکھتا ہے۔ اگر کسی حد تک انسانی عمل کا یہ مشاہداتی تجزیہ درست ہو تو انسانوں کی اصلاحی ضرورت یہ ہوگی کہ وہ خوب سوچیں کہ وہ ہمہ دم سیکھتے کیا ہیں اور سکھاتے کیا ہیں۔ کس سے سیکھتے ہیں اور کسے سکھلاتے ہیں۔ گویا بات صرف انتخاب نظر کی ہے، صحت اقدام کی ہے اور درست فیصلہ کی ہے اگر آپ یہ کرلیں تو پھر آپ متقی بھی ہیں نیک بھی ہیں

ایمان والے بھی ہیں

اور اسلام والے بھی ہیں

بلکہ

خوب اور خیر کمانے والے عظیم انسان ہیں

لیکن اگر آپ کی تاریخی نسبت غلط ہوگئی اور نظر انتخاب فریب کا شکار ہوگئی اور قوت فیصلہ کا چراغ بجھ گیا، نہ جانے والوں کو آپ پرکھ سکے اور نہ آنے والوں سے آپ صائب انتخاب کر سکے تو پھر سمجھیں کہ شخصیت میں انحطاط شروع ہو گیا اور اس سے یہاں ایک بات کھل گئی کہ حسن نیت ہو یا حسن طلب دونوں کے لیے کسی اچھی، خوبصورت، اعلیٰ کامل، متواضع، علم منداور وفا شعار شخصیت کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنا ازبس ضروری ہوتا ہے۔ اس کے بغیر شبانی سے کلیمی دو قدم نہیں رہ سکتی۔ دنیا میں عظیم وہی بنتا ہے جو کسی عظیم ہستی کے سامنے اپنے آپ کو مٹاتا ہے، جو یہ نہیں کر سکتے وہ شرف و عزت نہیں پا سکتے۔ یہاں اصول یہ ہے کہ جھکو گے تو بڑھو گے مٹو گے تو پاؤ گے دبو گے تو اٹھو گے۔

جو کسی کے لیے کسی سے ہجرت نہیں کرتا وہ وصل کی خوشیوں سے بہرہ مند نہیں ہو سکتا۔ جو کسی کے لیے لذت کش انتظار نہیں رہتا اس کے لیے کوئی منتظر نہیں ہوتا، جو کسی کی خدمت کرنے کی بار کشیاں نہیں لیتا کوئی اس کے جوتے اٹھانے کو باعث لطف نہیں سمجھتا۔

جیسا کرو گے ویسا بھرو گے

بڑوں کے سامنے مٹ جاؤ اور بڑے بن جاؤ شاید بڑا بننے کے لیے اس سے زیادہ کارگر کوئی نسخہ نہیں ہو سکتا۔

کیا خوبصورت ارشاد ہے حضور ﷺ کا کہ آپ فرماتے ہیں:

''اونٹنیاں سو ہوتی ہیں لیکن سواری کے قابل ان میں سے کوئی ایک ہی ہوتی ہے''۔

قیادتوں کا جوہر ہر فرد میں نہیں ہوتا لیکن عظمتوں کے حصول کے لیے اصولوں کے پل صراط پر ہر شخص چل سکتا ہے۔ روشنی سب کو دعوت دے رہی ہے۔

دم عارف نسیم صبح دم ہے
اسی سے ریشہ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید وفرقان حمید کی تفسیر ''تبصرہ'' کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز ومعانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورۃ النساء کی آیت نمبر 1 تا 3 تفسیر پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِیۡرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیۡكُمۡ رَقِیۡبًا ۝۱ وَاٰتُوا الۡیَتٰمٰۤی اَمۡوَالَهُمۡ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الۡخَبِیۡثَ بِالطَّیِّبِ ۪ وَلَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَهُمۡ اِلٰۤی اَمۡوَالِكُمۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوۡبًا كَبِیۡرًا ۝۲ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ لَكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَیۡمَانُكُمۡ ؕ ذٰلِكَ اَدۡنٰۤی اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ۝۳

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِیۡرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیۡكُمۡ رَقِیۡبًا ۝

''اے لوگو! اپنے اس پالن ہار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے پھیلا دیے کثرت کے ساتھ مرد اور عورتیں اور ڈرو اللہ سے جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور قرابتوں کے بارے میں بھی ڈرتے رہو بے شک اللہ تمہارا نگہبان ونگران ہے''۔

''یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ'' کا خطاب

یہ خطاب، حکمت سے لبریز خطاب اور صوری اور معنوی جمال سے بھر پور خطاب تمام انسانیت سے ہے۔ آواز میں ضعیف اور نزار انسانوں کو مضبوط کرنے اور سڑے سکڑے ہوئے شرافت سے محروم انسانوں کو مالا مال کرنے کے لیے ربّ واحد کی طرف بلایا گیا ہے۔ دل ہلا دینے والی یہ آواز مبدا سے معاد تک چھائی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اس میں تقویٰ کا حکم ہے پھر زینتِ حیات، تعمیر کائنات اور ارتقائے دعوات کا روحانی مرکز ''تزویج'' کو قرار دیا گیا ہے۔ مضامین کی فکری ترتیب یہ ہے:

1۔ پیغام بنام انسانیت
2۔ تقویٰ کا ایمانی، عملی اور روحانی قیام
3۔ ربوبیت اور ربّ کی پہچان
4۔ ایک جان سے پیدا ہونا
5۔ وحدت سے تزویج کا ارتقائی سفر
6۔ جوڑے سے عورتوں اور مردوں کا پھیلا دینا
7۔ تقویٰ کا مکرر حکم
8۔ رشتوں اور قرابت داری کا تقدس اور تہذیب وتمدن کی اہم اساس
9۔ اللہ تعالیٰ کی توحید شناسی
10۔ صفات باری پر ایمان خصوصاً یہ جاننا کہ وہ تمام انسانوں پر نگہبان ہے۔

بظاہر یہ باتیں بہت سادہ لیکن حقیقت میں یہ عظیم حقائق ہیں۔ یہ بات تو قرآن مجید کی اس آیت سے کھل کر قاریٔ قرآن کے سامنے آجاتی ہے کہ انسانیت کے حقوق کے لیے عصر رواں کے خونی دعویدار ابھی ظلمات ثلٰثہ میں سرگرداں تھے جب اسلام انسانیت کی بات کرتا تھا۔ اسلام انسانوں کو بانٹتا نہیں ان کی صفوں میں اتحاد لانے کے لیے ان کو ان کی تاریخ یاد کرواتا ہے کہ وہ سب ایک ہی جان سے پیدا کیے گئے ہیں۔ ایک انسان سے پیدا ہونے کا تصور ہی رحم ومحبت کے جذبات کو جنم دیتا ہے اور بگاڑ وفساد کی ظلمت ختم ہوجاتی ہے۔

آیت میں نسوانیت اور رجولیت کو باہم مربوط کر کے بیان کیا گیا ہے۔ قرآن سے ہٹ کر اگر انسانوں کی سوچیں زیرِ غور لانے کی زحمت گوارا کی جائے تو عجیب وغریب قسم کے تصورات عورت کی طرف منسوب کیے گئے ہیں اور اسے گناہ اور گندگی کا منبع

سمجھا گیا ہے اور قرآن کی اس آیت کے مطابق عورت اپنی طبیعت، مزاج اور تاریخ کے اعتبار سے نفس اول کا جزو ہے۔ عورت اور مرد صاف ہیں تو دونوں صاف ہیں اور عظیم المرتبت ہیں تو دونوں فضیلت مآب ہیں اس لیے کہ دونوں ایک دوسرے سے ہیں۔ دونوں کی فطرت میں کچھ فرق نہیں، ہاں اتنا ضروری ہے استعداد اور صنفی فرائض کی ادائیگی میں فرق ہے۔

آیت اسلام میں تبلیغ کی ''نفسیات'' بھی متعین کرتی ہے کہ جب زندگی کا ابتدائی سیل (Cell) خاندان ہے تو انوار الٰہیہ کی تبلیغ بھی یہیں سے شروع ہونی چاہیے۔ رحمت عالم ﷺ نے تبلیغ کا کام خاندان ہی سے شروع فرمایا اور اسی خاندانی اہمیت کی وجہ سے اسلام نے اسے بڑی اہمیت اور فضیلت بخشی ہے، یہی وجہ ہے کہ خاندان کی شیرازہ بندی اور استحکام کے لیے اسلام نے بڑی تدابیر دی ہیں۔ قرآن مجید کی یہ آیت عورت ذات کے حوالے سے ہر ناروا روش کی مذمت ہی نہیں کرتا ہے بلکہ تقویٰ کا ایک مؤثر نظام دیتا ہے جس پر کاربند ہونے کی بار بار دعوت دی جاتی ہے۔ آیت کا روحانی عمود یہی تقویٰ ہے۔

تقویٰ سے مراد کیا ہے؟

ابوحیان اندلسی البحر المحیط میں رقم طراز ہوتے ہیں (1):

''یہاں اس آیت میں تقویٰ سے مراد یہ ہے جس چیز کے ملانے کا اللہ نے حکم دیا ہے اسے ملاؤ اور رشتہ داریوں سے منقطع نہ ہو، یہ واجب ہے اور ان حقوق کی حفاظت کرو جن سے صلۂ رحمی ممکن ہوتی ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تقویٰ سے اطاعت مراد لیتے تھے اور مقاتل نے تقویٰ کا معنیٰ ڈرنا کیا ہے اور کبائر اور صغائر سے بچنا بھی تقویٰ کی تعریف میں لایا گیا ہے۔

''تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ'' کا مفہوم

''تَسَآءَلُوْنَ'' تسائل کے مادہ سے ہے جس کا معنیٰ و مفہوم ایک دوسرے سے سوال کرنے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جب لوگ ایک دوسرے سے کوئی چیز مانگیں تو اللہ کا نام استعمال کرتے ہیں۔ یہ چیز اللہ کے نام کی عظمت اور کبریائی کی نشانی ہے۔ اب جملہ کا معنیٰ یہ ہوگا کہ جس نام کی کبریائی تم تسلیم کرتے ہو اور چھوٹے بڑے معاملات میں تم اسی کے نام کے واسطے دیتے ہو، رشتہ داریوں اور صلۂ رحمی کے معاملے میں اس اللہ سے ڈرو یعنی رحم کو منقطع نہ کرو بلکہ اس کو جوڑو۔ ارحام کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جائے کہ اللہ نے اپنے نام کے ساتھ ہی اسے جوڑ دیا ہے۔

دوسرا معنیٰ یہ بھی ہے کہ تم سب چونکہ نفس واحد سے ہونے کے اعتبار سے ایک دوسرے سے جڑے ہو اس لیے کوئی شخص کسی بھی کنبے قبیلے کا ہو اس سے مل کر رہو۔ احترام آدمیت کی کتنی مضبوط بنیاد بتائی گئی ہے۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝

''اور دے دو یتیموں کو ان کے مال اور پاکیزہ کو گندے سے تبدیل نہ کیا کرو اور نہ ہی ان کے مالوں کو اپنے مالوں سے ملا کر کھایا کرو بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے''۔

سورۃ النساء کی اس آیت میں اسلامی قانون کی صفتِ توازن بیان ہوئی ہے اور مظلومین کو جس طرح قرآن ٹیک اور سہارا دیتا ہے اسے خصوصی اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ وہ بچے جن کے باپ حوادث یا طبعی پیغام اجل کی وجہ سے فوت ہو جائیں یتیم کہلاتے ہیں۔ سورۃ النساء ان کے بارے میں اسلامی مزاج، سوچ اور احکام و اہتمام لے کر جلوہ فگن ہوتی ہے اور اعلان کر دیتی ہے کہ یتیموں کے اموال میں خیانت حرام ہے۔

اصل میں ہوا یہ تھا کہ بنو غطفان قبیلہ میں ایک شخص کا بھائی بہت دولت مند تھا۔ وہ دنیا سے چل بسا تو اس کے بھائی نے اپنے یتیم بھتیجوں کی سرپرستی کے نام پر ان کے مال میں بے جا تصرف کیا۔ بھتیجا جب بالغ ہوا تو اس کے اموال کی تفویض میں کوتاہی کی۔ مقدمہ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا: ''ابھی ابھی یہ آیت نازل ہوئی''، اس پر مال غصب کرنے والے نے توبہ کر لی اور مال بھتیجے کے سپرد کر دیا (2)۔

- قرآن مجید کی اس آیت میں پہلا حکم یہ دیا جا رہا ہے کہ یتیموں کے اموال ان کے سپرد کر دو۔ تمہیں اگر وکیل و رقیب کی حیثیت سے کچھ وقت کے لیے تصرف کی اجازت دی گئی تھی تو اس کا یہ معنیٰ تھوڑا ہی نکلتا ہے کہ تم ان کے اموال کے مالک بن جاؤ۔ یتیم بچے جونہی بلوغت کی عمر کو پہنچ جائیں ان کی امانتیں ان کے سپرد کر دو۔
- دوسرا حکم آیت میں گندے مال اور صاف مال میں اقتصادی اعتبار سے اور روحانی لحاظ سے فرق کو ملحوظ خاطر و عمل رکھنا ہے۔ قرآن مجید واضح اسلوب میں حکم دیتا ہے کہ یتیموں کے اعلیٰ اور پاکیزہ مال کو اپنے گھٹیا اور ناپاک مال سے تبدیل نہ کرو۔ قرآن مجید نے یہ حکم دے کر سفلی اور غلیظ حیلہ گری سے بھی روک دیا۔ یتیموں کو ظلم سے بچانے کا یہ شرعی اور روحانی اسلوب ہے۔
- آیت کا تیسرا حکم یہ ہے کہ یتیموں کے اموال کو اپنے اموال کے ساتھ ملا کر یہ حیلہ گری ہرگز نہ کرو کہ پہلے ان کے مال کے مالک بن جاؤ پھر سارا مال ہی ہڑپ کر جاؤ یا پھر آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنے بُرے مال کو ان کے اچھے مال میں ہرگز نہ ملاؤ، یہ حکم یتیموں کے اموال کو پائمال ہونے سے بچانے کے لیے ہے۔

لفظ ''حوب'' کی تشریح

تاج العروس نے لکھا کہ ''حوب'' اور ''حاب'' دونوں لفظ بنیادی طور پر اونٹوں کو ڈانٹنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں (3)۔

راغب اصفہانی نے لکھا کہ ''الحوبه'' ضرورت کے پورا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، ایسی حاجت جو محتاج کو ارتکاب جرم پر مجبور کر دے (4)۔

ائمہ لغت نے ''حوب'' کا معنیٰ بیماری، وحشت، حق تلفی اور گناہ بھی لکھا ہے۔ حاجت اور مسکنت کا مفہوم بھی ''حوب'' میں سمویا گیا ہے (5)۔

ہلاکت، غم و فکر اور درد سے بھرا ہونا بھی ''حوب'' کا معنیٰ لکھا جاتا ہے۔ آیت میں گناہ کے بڑا ہونے کے معنیٰ میں یہ لفظ لایا گیا ہے (6)۔ واللہ اعلم

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝

''اور اگر تم خوف رکھو کہ یتیموں کے بارے میں تم انصاف نہ کر سکو گے تو جو

عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرلو دو سے اور تین تین سے اور خواہ چار چار سے پس اگر تمہیں عدل قائم نہ رکھ سکنے کا اندیشہ ہو تو پھر ایک ہی سے نکاح کرو یا پھر وہ کنیزیں ہیں جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہوئے ہیں یہی قریب تر ہے کہ تم زیادتی نہ کرنے پاؤ''۔

''یتامیٰ'' کی تشریح

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں (7):

''یتامیٰ'' یتیم کی جمع ہے اس سے مراد وہ بچہ ہوتا ہے جس کا باپ فوت ہو جائے۔ لفظ یتیم ''یتم'' سے مشتق ہے جس کا معنیٰ اکیلا ہونا ہوتا ہے۔ وہ اکیلا موتی جو سیپ میں تیار ہو ''درۃ یتیمہ'' کہلاتا ہے۔

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں (8):

''یتیم اگرچہ صفتِ مشبہ کا صیغہ ہے لیکن یہ اسماء کی طرح مستعمل ہے اس لیے یتیم کی جمع یتائم آتی ہے پھر اس کی جمع الجمع ''یتامیٰ'' ہوگئی ہے جیسے اسیر سے اسریٰ اور پھر اس کی جمع اساریٰ آجاتی ہے''۔

صاحب کبیر لکھتے ہیں کہ لغت کی رو سے تو ہر بچہ جس کا باپ نہ ہو یتیم ہوتا ہے لیکن آیت میں اس کی تخصیص نابالغ ہونے کے ساتھ کر دی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بالغ ہونے کے بعد یتیمی نہیں ہے''۔ آیت میں معنیٰ یہ ہے کہ یتیم بچے جب بالغ ہو جائیں تو ان کے اموال ان کے سپرد کر دو (9)۔

شانِ نزول

فہم آیت کے لیے شان نزول کا جاننا از حد ضروری ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ بات معاشرہ میں شائع تھی کہ لوگ کفالت اور سرپرستی کے لیے یتیم بچیوں کو گھر لے جاتے اور پھر ان سے شادی رچا کر ان کے مال کو اپنی ملکیت بنا لیتے۔ ظلم کی انتہا کہ ان کے مہر کی ادائیگی میں بھی زیادتی کی جاتی۔ مال قبضہ گروپ کی طرح سنبھال کر کسی معمولی تلخی کی بنیاد پر منکوحہ کو طلاق دے دی جاتی۔ آیت یہ رہنمائی کرتی ہے کہ اگر تم لوگ یتیمات سے مال کے لیے شادی کرتے ہی ہو تو عدل و انصاف کو ملحوظ خاطر رکھو۔ اگر عدل تم سے ممکن نہ ہو تو پھر ضروری تو نہیں کہ یتیمہ ہی سے شادی کرو، دوسری عورتیں جو ہیں تم ان سے شادی کے لیے عورتیں منتخب کرلو۔ اگر بھوک بہت زیادہ ہوگئی تو دو شادیاں کرلو، تین کرلو اور چار کرلو، کفالت اور سرپرستی کا تقدس تو فنا نہ کرو۔

زمانۂ جاہلیت اور مناکحت کی صورتیں

- عرب آبادی مختلف طبقات پر مشتمل تھی۔ ہر طبقہ اور قبیلہ اپنی اپنی رسوم رکھتا۔ یہ صرف اور صرف ہاشمی اور اشراف تھے جن میں عورت کو عزت دی جاتی اور ان کی عورتوں کو کافی حد تک اپنے بارے میں فیصلے کرنے کا اختیار تھا لیکن ان کے اولیاء اور خاندانی بزرگ جس وقت فیصلہ کرتے اسے عزت دی جاتی۔ عورتوں کی عفتوں کی محافظت میں تلواریں اٹھا لی جاتیں۔ ان کی عورتیں چاہتیں تو قبائل کو شیر و شکر کر دیتیں اور ان کے ہاں عورت کو حق نہیں تھا کہ وہ فیصلۂ نکاح خود کرتیں، ان کے سرپرست اس معاملہ میں خود مختار تھے۔ حضور ﷺ اور خدیجۃ الکبریٰ کا نکاح مثالی ہے۔
- نکاح کی دوسری صورت یہ ہوتی کہ عورت جب حیض سے پاک ہوتی تو اس کا شوہر خود اس کو کہتا کہ فلاں شخص کے پاس جا کر قربت کرو۔ شوہر خود اس سے الگ تھلگ رہتا۔ جب حمل واضح ہو جاتا تو شوہر عورت کے پاس جا کر مقاربت کرتا صرف اس لیے کہ لڑکا شریف اور باکمال پیدا ہو۔ اس نکاح کو استبضاع کہا جاتا۔
- نکاح کی تیسری صورت یہ ہوتی کہ دس آدمیوں سے کم ایک گروہ اکٹھا ہوتا وہ سب ایک ہی عورت سے بدکاری کرتے اور جب وہ عورت حاملہ ہوتی تو وہ ان لوگوں کو بلا لیتی جنہوں نے اس سے بدکاری کی ہوتی۔ کسی کی مجال نہ ہوتی کہ وہ نہ آئے۔ عورت پھر جس کا نام لے پیدا ہونے والا بچہ اس کی طرف منسوب ہو جاتا۔
- چوتھی صورت یہ تھی کہ جواں جواں اور خوبصورت لونڈیوں کو کوٹھوں پر بٹھا دیتے اور ان کے دروازوں پر جھنڈے لگا دیے جاتے کہ جنہیں دیکھ کر دور ہی سے دیکھ لیا جاتا کہ جنسی حاجت مند اپنی خواہش یہاں پوری کر سکتے ہیں۔ یہ عورتیں ''قلیقیات'' کہلاتی تھیں اور ایسے گھروں کا نام ''مواخیر'' ہوتا۔ عبداللہ بن ابی منافق نے بھی ایسا ہی ایک گھر رکھا ہوا تھا۔ جاننے کی بات یہ ہے کہ ان عورتوں کا اگر بچہ پیدا ہو جاتا تو مواخیر کا مالک جس کا نام چاہتا اس کی طرف بچہ منسوب کر دیتا۔ ایسے حرامی بچے فوج میں شامل کر لیے جاتے۔
- پانچویں صورت تلوار اور طاقت کے بل بوتے پر عورتوں پر قبضہ کرنے کی تھی۔ مغلوب قبائل کی عورتوں کے ساتھ یہی سلوک ہوتا۔
- چھٹی صورت دو سگی بہنوں کو ایک ہی نکاح میں جمع کر لینے کی تھی۔ رشتوں کے تقدس کو پائمال کرنے کی یہ گھناؤنی صورت تھی۔
- ساتویں ایک گھناؤنی صورت یہ بھی تھی کہ مال اندوزی کے لیے دس دس یتیم بچیوں سے شادی کر لی جاتی اور یہ شادی جنس رانی کے لیے نہ ہوتی مال اندوزی کے لیے ہوتی، بالغ نابالغ کی بھی قید نہ ہوتی، پیسہ ہڑپ کرنے کے بعد عورتوں کو کھسکا دیا جاتا۔

بدکاری کی تمام صورتیں ختم

سورۃ النساء کا انسانی معاشرت پر سب سے بڑا احسان یہ ہوا کہ بدکاری کی تمام صورتیں یکسر حرام کر دی گئیں اور نکاح کے ذریعے اولاد تلاش کرنے کی بنیاد فراہم کی گئی اور جاہلی معاشرہ کا سب سے بڑا اعتراض کہ یتیم بچیوں کو بے سہارا کرنا تو ظلم عظیم ہے، اسلام نے تعددِ ازواج کے قانون میں اعتدال کا مزاج قائم رکھا۔ ہو یہ رہا تھا کہ لوگوں نے دس دس عورتوں سے شادیاں رچا رکھی تھیں مثلاً بخاری کی روایت ہے کہ غیلان ابن سلمہ ثقفی جب اسلام لائے ان کی دس بیویاں موجود تھیں۔ اسے حضور ﷺ نے حکم دیا کہ ان میں سے چار کو چن لو۔ سنن ابی داؤد کی روایت ہے کہ عمر اسدی کہتے ہیں: جس وقت میں نے اسلام قبول کیا میری آٹھ بیویاں تھیں۔ حضور ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ ان میں سے چار کو چن لو۔ نوفل بن معاویہ کہتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے کے وقت میری پانچ بیویاں تھیں۔ حضور ﷺ نے ان میں سے چار کے منتخب کرنے کا حکم سنا دیا (10)۔

بقیہ: صفحہ نمبر 14 پر

سردارانِ جنت

حافظ سخی احمد

عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: سَأَلَتْنِي أُمِّي مَتَى عَهْدُكَ تَعْنِي بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا لِي بِهِ عَهْدٌ مُنْذُ كَذَا وَ كَذَا، فَنَالَتْ مِنِّي، فَقُلْتُ لَهَا: دَعِينِي آتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُصَلِّيَ مَعَهُ المَغْرِبَ، وَأَسْأَلُهُ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لِي وَلَكِ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ المَغْرِبَ فَصَلَّى حَتَّى صَلَّى العِشَاءَ، ثُمَّ انْفَتَلَ فَتَبِعْتُهُ، فَسَمِعَ صَوْتِي، فَقَالَ: مَنْ هَذَا، حُذَيْفَةُ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: »مَا حَاجَتُكَ غَفَرَ اللَّهُ لَكَ وَلِأُمِّكَ ؟ قَالَ: إِنَّ هَذَا مَلَكٌ لَمْ يَنْزِلِ الأَرْضَ قَطُّ قَبْلَ هَذِهِ اللَّيْلَةِ اسْتَأْذَنَ رَبَّهُ أَنْ يُسَلِّمَ عَلَيَّ وَيُبَشِّرَنِي بِأَنَّ فَاطِمَةَ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الجَنَّةِ وَأَنَّ الحَسَنَ وَالحُسَيْنَ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الجَنَّةِ

”حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میری والدہ نے پوچھا: تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حال ہی میں کب گئے تھے؟ میں نے کہا: اتنے اتنے دنوں سے میں ان کے پاس نہیں جا سکا ہوں، تو وہ مجھ پر خفا ہوئیں، میں نے ان سے کہا: اب مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جانے دیجیے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز مغرب پڑھوں گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں اپنے اور آپ کے لیے دعا مغفرت کی درخواست کروں گا، چنانچہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مغرب پڑھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (نوافل) پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء پڑھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوٹے تو میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پیچھے پیچھے چلا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری آواز سنی تو فرمایا: ”کون ہو؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ؟“ میں نے عرض کیا: جی ہاں، حذیفہ رضی اللہ عنہ ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: ”کیا بات ہے؟ بخشے اللہ تمہیں اور تمہاری ماں کو“ (پھر) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”یہ ایک فرشتہ تھا جو اس رات سے پہلے زمین پر کبھی نہیں اترا تھا، اس نے اپنے ربّ سے مجھے سلام کرنے اور یہ بشارت دینے کی اجازت مانگی کہ فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں“۔ (ترمذی)

زیر مطالعہ فرمان پاک کی تفہیم کے لیے درج ذیل نکات قائم کیے جاتے ہیں:

1۔ روایت کی ثقاہت
2۔ محدثین کے اضطرابات
3۔ ایک اور مشکل
4۔ شباب کے معنوی اطلاقات
5۔ جنت کا شباب
6۔ جنت کا فخر

1۔ روایت کی ثقاہت

روایت پاک کا بالخصوص وہ حصہ جس میں حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی جنت میں سرداری کا ذکر مبارک ہے اسے امام ترمذی نے جامع ترمذی میں، ابن ماجہ نے سنن ابن ماجہ میں، امام حاکم نے المستدرک میں، امام احمد نے مسند میں، امام طبرانی نے المعجم الکبیر اور المعجم الاوسط میں، امام ہیثمی نے مجمع الزوائد اور موارد الظمان میں، ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں بیان کیا ہے۔ نیز مسند ابی یعلی، مصنف ابن ابی شیبہ، الصواعق المحرقہ اور امام نسائی نے سنن الکبریٰ میں بھی اسے روایت کیا ہے۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سردارانِ جنت کی سرداری کا ذکر حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت عمر، حضرت ابوھریرہ، حضرت جابر، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابوسعید خدری، حضرت اسامہ بن زید، حضرت براء بن عازب، قرہ بن ایاس اور مالک بن حویرث رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ نیز شہزادوں کی جنتی سرداری کا ذکر حضرت مولا علی المرتضیٰ اور امام عالی مقام سیدنا حسین پاک رضی اللہ عنہما نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرمایا ہے۔ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی سرداری کا ذکر ہر دور میں ہوتا رہا اور اتنی کثرت سے ہوتا رہا کہ امام سیوطی علیہ الرحمہ نے اسے متواترات میں شمار کیا ہے جیسا کہ فیض القدیر شرح جامع الصغیر میں نقل کیا ہے۔

2۔ محدثین کے اضطرابات

اس فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفہیم میں محدثین شدید اضطرابات کا شکار ہوئے ہیں۔ امام سیوطی علیہ الرحمہ قوت المغتذي على جامع الترمذي میں ابن الحاجب کا قول نقل کیا ہے:

هذا الحديث فيه إشكال

”اس حدیث شریف کی تفہیم میں مشکل ہے“۔

اللہ ربّ العالمین محدثین کرام کے درجات بلند فرمائے۔ اس فرمانِ مبارک کی تفہیم میں جن سوالات نے مشکلات پیدا کی ہیں اُن میں سے چند درج ذیل ہیں:

1۔ جنت میں تو سبھی عالم شباب میں ہوں گے تو کیا حسنین کریمین علیہما السلام سبھی کے سردار ہوں گے؟
2۔ جنت میں تو شیخین کو بھی ”سیدا کھول اھل الجنة“ کہا گیا ہے جب کہ وہاں سبھی جنتیوں کی عمریں تو تیس سال کی ہوں گی؟
3۔ جنت میں انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام تو سب سے بلند و بالا ہوگا پھر بھی حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی سرداری کا معنی و مطلب کیا ہوگا؟

ملا علی قاری مرقاۃ المفاتیح میں ان سوالات کا جوابات بیان کرتے ہیں مگر خود ہی جوابات پر سوالات اور سوالات کے جوابات میں مضطرب دکھائی دیتے ہیں:

هُمَا أَفْضَلُ مَنْ مَاتَ شَابًّا فِي سَبِيلِ اللهِ مِنْ أَصْحَابِ الْجَنَّةِ، وَلَمْ يُرِدْ بِهِ سِنَّ الشَّبَابِ، لِأَنَّهُمَا مَاتَا وَقَدْ كَهِلَا، بَلْ مَا يَفْعَلُهُ الشَّبَابُ مِنَ الْمُرُوَّةِ كَمَا يُقَالُ: فُلَانٌ فَتًى وَإِنْ كَانَ شَيْخًا يُشِيرُ إِلَى مُرُوَّتِهِ وَفُتُوَّتِهِ، أَوْ أَنَّهُمَا سَيِّدَا أَهْلِ الْجَنَّةِ سِوَى الْأَنْبِيَاءِ وَالْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ

''دونوں اُن جنتی جوانوں سے افضل ہیں جو جوانی ہی میں اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے مگر اس میں یہ مشکل ہے کہ دونوں شہزادوں کا وصال عمر کہول (ادھیڑ عمر) میں ہوا۔ بلکہ اس سے مراد وہ کارہائے نمایاں ہیں جو جوانی میں سرانجام دیے جاسکتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں جوان ہے چاہے وہ بوڑھا ہی کیوں نہ ہو۔ یہ کام اس کی جوانی اور ہمت کی طرف اشارہ ہوتا ہے یا پھر اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ انبیاء اور خلفاء راشدین کے علاوہ باقی سب اہل جنت کے سردار ہیں''۔

تمام شارحین حدیث کو سلام مگر سوچنے کی چند باتیں اور بھی ہیں جو تفہیم حدیث میں مددگار ہوسکتی ہیں:

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی سرداری کا اعلان آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس وقت اور موقع پر ارشاد فرمایا جب کہ امام حسن المجتبیٰ کی عمر تقریباً آٹھ سال اور امام حسین پاک کی عمر مبارک پانچ سال کے لگ بھگ تھی۔

یعنی سردارانِ جنت حسنین پاک علیہما السلام نے ابھی کسی جنگ میں شرکت نہیں فرمائی تھی

ابھی اُن کے علم وزہد وتقویٰ کے جوہر دُنیا کے سامنے ظاہر نہیں ہوئے تھے

ابھی تک اُن کی بے مثال سیرت وکردار کا جوہر زمانہ دیکھ نہیں پایا تھا

مگر آقا رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دونوں سردار ہیں، یہ اعلان اُن کے سامنے ہوا جن کی وفا ومحبت وایثار وقربانی وسیرت وکردار کے رنگ پوری طرح سے نکھر کر سامنے آچکے تھے۔ اس اعلانِ عظمت وفضیلت کو سُن کر غلامانِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے کسی نے کوئی اعتراض کیا نہ کوئی سوال پوچھا

کسی نے یہ سوال نہیں پوچھا۔۔۔۔۔ حسنین پاک علیہما السلام کی وجہ فضیلت کیا ہے؟

کسی نے یہ اعتراض بھی نہ کیا۔۔۔۔۔ حسنین کریمین علیہما السلام تو ابھی بچے ہیں۔ ابھی سے اُن کی سرداری کا اعلان کرنے کی ضرورت کیا ہے؟

کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کہ سیدنا حسن اور سیدنا حسین پاک رضی اللہ عنہما کس کس کے سردار ہوں گے؟؟

ہم جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی جنت کی بشارت دی ہے کیا یہ ہمارے بھی سردار ہوں گے؟ کیا یہ انبیاء کے بھی سردار ہوں گے؟

تسلیم ورضا اُن کے وجود میں تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور انہوں نے مان لیا۔ بچپن سے لے کر شہادت تک کسی ایک نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کو ماننے سے انکار نہیں کیا؟ اور اس کی کوئی باطل تاویل بھی پیش نہ کی حتیٰ کہ کربلا میں بھی اس بات کا کوئی جواب یزیدی لشکر کے پاس نہ تھا۔

ہمیں بھی اس فرمان کو ویسے ہی ماننا چاہیے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفادار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تسلیم کیا۔

ویسے نہ مانیں جیسے جنت کے بادشاہ، نواسۂ رسول، جگر گوشہ پاک بتول امام حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے کربلا میں معرکہ آراء یزیدی لشکر مان رہا تھا۔ ورنہ اپنے انجام کی خود فکر کریں

3۔ایک اور مشکل

جنت میں تو ہر ایک کو من چاہی ہر نعمت ہی میسر ہوگی۔ قرآن مجید کی نص سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اہل جنت بااختیار ہوں گے جو وہ طلب کریں گے وہ پیش خدمت ہوجائے گا۔ جنت میں سے کسی کو نکالا نہیں جائے گا۔ اہل جنت ہمیشہ ہمیشہ اللہ کی رضا میں ہوں گے۔ پھر جنت میں سرداری کا معنیٰ ومفہوم کیا ہوگا!!

ذیل میں ان اضطرابات واشکالات کو دور کرنے کی سعی وکوشش کرتے ہیں

4۔شباب کے معنوی اطلاقات

فرمانِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لفظ شباب کو سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ مفہوم حدیث واضح ہوسکے۔ سنِ بلوغ سے تیس برس تک کی عمر کو شباب کہا جاتا ہے۔ نیز ہر شے کے اوّل حصہ کو بھی شباب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس چیز سے آگ روشن کی جائے اُسے بھی شباب کہا جاتا ہے۔ کسی شے کی عمدہ حالت وحسن، نقطۂ عروج، درجہ کمال، عروج کا زمانہ بھی شباب کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ نیز تصوف میں سرعت سیر کو بھی شباب کہتے ہیں۔ ایران میں موسیقی کے ایک راگ کو بھی شباب کہا جاتا ہے۔

شَبَّ الفَرَسُ شِبَاباً وشُبُوباً گھوڑے کا مست ہوکر اگلی ٹانگیں اٹھانا مراد ہوتا ہے۔

شباب میں جوانی، جوانی میں جوش، جوش میں سَرمستی، سَرمستی میں جلوہ اور جلووں میں روشنی ونور اس لفظ کے معنوی اطلاقات ہیں۔

امامین پاک علیہما السلام کی سرداری۔۔۔۔۔ درجۂ کمال ہے، نقطۂ عروج ہے، رنگ و نور کی بے مثل کہکشاں ہے، ذات رب العالمین میں سرعتِ سیر ہے

سرداری بمعنی رضائے الٰہی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سرداری کو تسلیم نہ کرنا جنت سے محرومی اور غضب الٰہی کا شکار ہونا

سرداری بمعنیٰ۔۔۔۔ بارگاہ رب العالمین میں وہ مقام قرب ہے جو سرداروں کو حاصل ہوتا ہے۔

سردار بمعنیٰ۔۔۔ رونق محفل، جانِ محفل

سردار بمعنیٰ۔۔۔ جنت کی ہر محفل میں حسن وحسین رضی اللہ عنہما کا ذکر ہوگا۔ اُن کی باتیں ہوں گی، اُن کے ذکر سے محفلیں مزین ہوں گی

امام حسین پاک علیہ السلام نے خود آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی مفہوم کو اس طرح سے بھی روایت کیا ہے جو تفہیم کے راستوں کو آسان کرتا ہے۔ اس درج ذیل روایت کو ابن عساکر، امام ہیثمی نے مجمع الزوائد اور امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں اور امام شوکانی نے درالسحابہ میں بیان کیا ہے:

عن الحسين بن علي رضي الله عنهما قال سمعت جدي رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يقول : لا تسبوا الحسن والحسين، فانهما سيدا شباب أهل الجنة من الأولين والأخرين.

''حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے اپنے نانا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو گالی مت دینا کیونکہ وہ پہلی اور پچھلی تمام امتوں کے جنتی جوانوں کے سردار ہیں''۔

کہنے اور لکھنے کو جی چاہتا ہے تو کہہ لینے دیں اور لکھ لینے دیں

کہ حسین پاک علیہ السلام سے محبت کرو کہ اُن کی محبت کے بغیر کسی کا چارہ نہیں ہے۔۔۔۔۔ نہ پہلوں کا اور نہ ہی بعد والوں کا

5۔جنت کا شباب

اہل جنت کے شباب کا عالم کیا ہوگا؟ امام ترمذی روایت فرماتے ہیں:

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَدْخُلُ أَهْلُ الجَنَّةِ الجَنَّةَ جُرْدًا مُرْدًا مُكَحَّلِينَ أَبْنَاءَ ثَلَاثِينَ أَوْ ثَلَاثٍ وَثَلَاثِينَ سَنَةً

''جنتی جنت میں جسم پر بالوں کے بغیر اور نوجوانی کی حالت میں سرمگی آنکھوں والے تیس یا تینتیس برس کی عمروں کی حالت میں داخل ہوں گے''۔

مگر سوال تو یہ بھی کہ جنت کا اپنا شباب کیا ہے؟ اور اس کا سردارانِ جنت سے کیا تعلق ہے؟

درج ذیل روایت ملاحظہ فرمائیں:

عن العباس بن زريع الأزدي عن أبيه مرفوعا، قال: قالت الجنة: يا رب! حسنتني فحسن أركاني، قال: قد حسنت أركانك بالحسن و الحسين.

''حضرت عباس بن زریع ازدی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ جنت نے (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) عرض کی: اے میرے پروردگار! تو نے مجھے حسین وجمیل بنایا ہے تو میرے ستونوں کو بھی حسین بنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تیرے ستونوں کو حسن اور حسین علیہما السلام کے ذریعے حسین وجمیل بنادیا ہے''۔

(امام عسقلانی فی لسان المیزان و الاصابہ فی تمیز الصحابہ، امام ذہبی فی میزان الاعتدال)

اسی عنوان کی ایک اور روایت بھی پیشِ خدمت ہے:

عن عقبة بن عامر رضي الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال: الحسن و الحسين شنفا العرش و ليسا بمعلقين، و إن النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال: إذا استقر أهل الجنة في الجنة، قالت الجنة: يا رب! وعدتني أن تزينني بركنين من أركانك! قال: أولم أزينك بالحسن و الحسين؟

''عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حسن اور حسین رضی اللہ عنہما عرش کے دو ستون ہیں لیکن وہ لٹکے ہوئے نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اہل جنت، جنت میں مقیم ہو جائیں گے تو جنت عرض کرے گی: اے پروردگار! تو نے مجھے اپنے ستونوں میں سے دو ستونوں سے مزین کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں نے تجھے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی موجودگی کے ذریعے مزین نہیں کر دیا؟''۔

(المعجم الاوسط، مجمع الزوائد، میزان الاعتدال، لسان المیزان، الصواعق المحرقہ)

درج بالا روایات سے معلوم ہوا کہ حسنین کریمین علیہما السلام صرف سردارانِ شباب اہل جنت ہی نہیں بلکہ عین شبابِ جنت بھی ہیں۔

6۔جنت کا فخر

امام طبرانی المعجم الاوسط اور امام ہیثمی نے مجمع الزوائد میں جنت و دوزخ کے درمیان ایک مناظرہ ومناقشہ کی دلچسپ روایت بھی نقل کی ہے جو آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیرِ مطالعہ فرمان کو سمجھنے میں آسانی پیدا کرتی ہے:

عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: فخرت الجنة علي النار فقالت: أنا خير منك، فقالت النار: بل أنا خير منك، فقالت لها الجنة إستفهاما: و ممه؟ قالت: لأن في الجبابرة و نمرود و فرعون فأسكتت، فأوحي الله اليها: لا تخضعين، لأزينن ركنيك بالحسن و الحسين، فماست كما تميس العروس في خدرها.

''حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک مرتبہ جنت نے دوزخ پر فخر کیا اور کہا میں تم سے بہتر ہوں، دوزخ نے کہا: میں تم سے بہتر ہوں۔ جنت نے دوزخ سے پوچھا کس وجہ سے؟ دوزخ نے کہا: اس لیے کہ مجھ میں بڑے بڑے جابر حکمران فرعون اور نمرود ہیں۔ اس پر جنت خاموش ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے جنت کی طرف وحی کی اور فرمایا: تو عاجز و لاجواب نہ ہو، میں تیرے دو ستونوں کو حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے ذریعے مزین کر دوں گا۔ پس جنت خوشی اور سرور سے ایسے شرما گئی جیسے دلہن شرماتی ہے''۔

جنت کی نہروں کا حُسن اپنی جگہ پر
خلد کے محلات کی خوبصورتی اپنے مقام پر
فردوس کے باغات بہت ہی اعلیٰ۔۔۔تسلیم وقبول
مگر امام حسن پاک رضی اللہ عنہ کا حُسن اور امام حُسین پاک رضی اللہ عنہ کا جلوہ
وہ خوبی وکمال ہے کہ جنت فخر کرتی ہے، جنت دُلہن کی طرح شرماتی ہے
حسنین کریمین علیہما السلام ہی شباب جنت بھی ہیں
جنتی جدھر جدھر دیکھیں گے اُنہیں جنت میں حسنین پاک علیہما السلام ہی کا حُسن دیکھائی دے گا
انبیاء کرام علیہم السلام حُسن حسنین پاک رضی اللہ عنہما کے جلووں سے خوش ہوں گے
جناب شیخین حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما فخرِ جنت کو اپنا بھی فخر مانتے ہیں اور جنت میں بھی دیدارِ حسنین اُن کے لیے خوشیوں اور مسرتوں کا باعث ہوگا
جنتی بہشت میں صرف کھانا پینا ہی طلب نہیں کریں گے اگرچہ بغیر بھوک و پیاس محض لذت کے لیے اُنہیں یہ ساری نعمتیں بھی وافر میسر ہوں گی
اہل بہشت اُس مقام رضا میں اُن کا ذکر کریں گے، اُن کے حسن و جمال کا جلوہ دیکھیں گے اور دیکھنے کی خواہش وآرزو بھی رکھیں گے
کہ جن کو دیکھنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راضی ہوتے ہیں
اسی لیے سرادریٔ جنت کا اعلان حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے بچپن میں ہی کر دیا گیا
اور سب کے سب غلامانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بلا چون و چرا، برضا ورغبت اور خوشی ومسرت سے صدقِ دل سے قبول فرمایا
جو دشمنانِ حسنین پاک علیہم السلام ہیں وہ جنت کی ہواؤں وفضاؤں سے محروم ہی رہیں گے۔
حسنین کریمین پاک علیہم السلام کی جنت میں سرداری سے پریشان نہ ہوں
وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے پاک محبوب خود جلوہ افروز ہوں گے
سارے انبیاء کرام علیہم السلام انہی کے ساتھ ہوں گے
اور وہاں بھی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کو مطلوب ومقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت و قربت ہوگی
اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی فرما رہے ہیں اور بار بار فرما رہے ہیں

کبھی جبرائیل علیہ السلام آ کر یہ خوشخبری سنائیں اور
کبھی کوئی اور فرشتہ اذنِ خصوصی لیے اسی خوشخبری کو سنانے کے لیے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر ہو

تو مان ہی لیں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی، جنت کا حُسن و جمال، اہل جنت کی چاہت وطلب

سارا کا سارا اور سب کا سب ۔۔۔۔۔۔ حسنین کریمین علیہما السلام ہی ہیں اور حسنین پاک علیہما السلام ہی ہوں گے،

الفت جسے بھی ہو نہ حسن اور حسین سے
عاشق کبھی وہ ہو نہیں سکتا حضور کا
اللہ کے نبی کے نواسوں کی بات کیا
ملتا تھا ان کے چہرے سے چہرہ حضور کا
حسن و حسین ہی تو تھے باغِ نبی کے پھول
دل ، اُن سے تھا بہلتا مہکتا حضور کا

مخلصانہ مشورہ ہے کہ سردارانِ جنت علیہم السلام کے دامنِ کرم سے وابستہ ہو کر رہیں اور دُنیا کی خاطر دولتِ ایمان برباد نہ کریں:

حسنین کریمین کا دامان نہ چھوڑو
اللہ کی رحمت کا یہ سامان نہ چھوڑو
دل میں بساؤ خوشبوئے حسنین سُنّیو
سرکار دو جہاں کا یہ گلدان نہ چھوڑو
کربل کی سرزمین سے ابھی آتی ہے صدا
دُنیا کے لیے دولت ایمان نہ چھوڑو

❁❁❁

بقیہ: تبصرہ وتذکرہ

اصل میں اسلام نے زیادہ شادیاں کرنے کی تحریص پیدا نہیں کی بلکہ زیادہ بیویاں رکھنے کے قانون میں تحدید کی اور صرف عدل کی قید کے ساتھ چار تک شادیاں کرنے کی اجازت دے دی گئی اور قانون سازی میں اعتدال کا مزاج قائم رکھا اور معاملہ کو خواہش نفس پر نہیں چھوڑ دیا گیا بلکہ عدل وانصاف کے ساتھ اسے مربوط کر دیا گیا۔

آیت کے روحانی اہداف

آیت کو غور سے پڑھنے پر اسلامی معاشرہ کے پانچ روحانی اہداف سامنے آتے ہیں:

❁ پہلا ہدف یہ ہے کہ معاشرہ کے اندر مہلک مادی بے راہ روی کا خاتمہ کیا جائے اور رشتوں ناتوں کے اندر جو مال اندوزی کے رجحانات ہیں ان کی حوصلہ شکنی کی جائے اور اس سلسلہ میں ایک متوازن قانون دیا جائے جو عورتوں خصوصاً یتیم بچیوں کے حقوق کی حفاظت کرے۔

❁ دوسرا روحانی ہدف یہ ہے کہ اسلام ایک صاف ستھرا اور معتدل شادی اور مناکحت کا قانون دے جس سے کوٹھہ گری کی تہذیب دم توڑے اور معاشرہ پاکیزہ بنیادوں پر استوار ہو اور خواہشات کی تکمیل کے لیے جائز راستوں کی حوصلہ افزائی کی جائے اور انسان کا بھرپور طبعی اور نفسیاتی مطالعہ کیا جائے اور اس سلسلہ میں کسی کو نہ تو فطری ضرورتوں کی تکمیل سے محروم کیا جائے اور نہ ہی اس کو جنسیات میں تھوک فروش بنا کر کچل دیا جائے۔

❁ آیت کا تیسرا روحانی ہدف عدل اور انصاف کو گھریلو اور عائلی زندگی میں نافذ کرنے کا ہے۔

❁ چوتھا یہ کہ معاشرہ اگر جنگی ہو جائے اور مغلوب ہو کر وہ خواتین جو اسلامی طرزِ حیات کو تسلیم نہ کرتی ہوں انہیں اسلامی ریاست میں جنسی انارکی پھیلانے سے روکنے کے لیے مخصوص حالت میں مسلمان مجاہدین کے حوالے کر دیا جائے تاکہ ان کی نگہداشت بھی ہو اور ان کی جنسی خواہشات کی تکمیل کا ایک راستہ بھی ہو اور مخصوص وقت کے بعد دھیرے دھیرے انہیں آزادی کی دہلیز تک پہنچا دیا جائے۔

❁ پانچواں روحانی ہدف اسلامی نظام کی کامیابی کے حصول کے لیے عائلی نظام کی درستگی کو قرار دیا گیا ہے اور معاشرہ میں ظلم وستم کو ختم کرنے کے لیے کام کا آغاز گھر سے کیا گیا ہے اور مسلمانوں کے مزاج کی تربیت کی گئی ہے کہ قانون پسند شہری بن کر زندگی بسر کریں۔

حوالہ جات

(1) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی (2) معالم التنزیل: بغوی
(3) تاج العروس: زبیدی حنفی
(4) المفردات: راغب اصفہانی (5) لسان العرب: ابن منظور ایضاً محیط ایضاً البحر
(6) التحریر: ابن عاشور ایضاً تاج ایضاً کبیر ایضاً ابوحیان اندلسی ولغات القرآن وغیرہ
(7) تفسیر مظہری: پانی پتی
(8) انوار التنزیل: بیضاوی ایضاً شیخ زادہ
(9) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی (10) فی ظلال القرآن: سید قطب

❁❁❁

زبیر کنسٹرکشنز، سول ورک کنٹریکٹر، لاہور 0321-34366744

ریاست مدینہ

اسلامی معاشرہ کی تشکیل

پروفیسر ڈاکٹر محمد اظہر نعیم

پہلا حصہ

مدینہ دنیا کی پہلی اسلامی ریاست تھی۔جس نے معاشرہ اور سماج کو ایسے اصول وضوابط عطا کیے۔جسک کے تحت معاشرے کے ہر فرد کو اس کا جائز حق دیا۔اور کسی کے حق میں کمی کی نہ کسی دوسر کے کے حق میں اضافہ کیا۔ یہ ایک مثالی معاشرہ تھا۔قبل اس کے کہ ہم اسلامی معاشرہ کی وضاحت کریں۔جاننا ضروری ہے کہ معاشرہ سے کیا مراد ہے۔معاشرہ افراد کے ایسے گروہ کا نام ہے جس میں اس اصول کے تحت آپس میں رہائش پذیر ہوتے ہیں کہ ان کے مفادات مشترک ہوں۔جن کی بنیادی ضروریات ایک دوسرے سے مشترک ہوں اور لازمی نہیں کہ ان کا تعلق ایک ہی قوم یا ایک ہی مذہب سے ہو۔کیمبرج ڈکشنری نے معاشرہ کی تعریف یوں کی ہے کہ:

"A large group of people who live together in an organized way , making decisions about how to do things and sharing the work that needs to be done".

(Cambridge Dictionary)

''لوگوں کا ایک بڑا گروہ جو ایک منظم طریقے سے اکٹھے رہتے ہیں، کام کرنے کے طریقے کے بارے میں فیصلے کرتے ہیں اور جو کام کرنے کی ضرورت ہے اس کا اشتراک کرتے ہیں''۔

ریاست مدینہ کے اسلامی معاشرے کی بنیاد ایک آفاقی نظریے کے تحت رکھی گئی۔

''تمام دنیا کے انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔اور ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔انسان ہونے کی وجہ سے سب برابر ہیں ان کے درمیان نسل، رنگ، زبان، قومیت اور وطنیت کی بنا پر جو تعصّبات پیدا ہو گئے ہیں اسلام ان کی نفی کرتا ہے اور اسے جاہلیت قرار دیتا ہے''۔

اسلام نے ایک مثالی معاشرہ کی تشکیل و تنظیم کے لیے باقاعدہ اصول وضوابط فراہم کیے ہیں اور ان کو ریاست مدینہ میں عملی شکل میں پیش کیا۔اس ضمن میں خالق کائنات نے الہامی کتاب قرآن مجید میں احکام و ہدایات دیں اور اللہ کے آخری پیغمبر محمد ﷺ نے ان کو عملی شکل میں اس نئی ریاست میں نافذ کیا۔قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا:

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہاری پیدائش (کی ابتداء) ایک جان سے کی پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا فرمایا پھر ان دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا''۔

(سورۃ النساۃ:1)

اہل دانش وفکر نے اس آیت سے دو مفہوم نکالے ہیں۔ پہلا یہ کہ تمام انسان برابر ہیں اور دوسرا یہ کہ اس میں اخوت، محبت اور بھائی چارے کی مستقل فضا کے لیے تعلق باللہ ضروری ہے۔ یہ وحدت و اخوت کے تعلقات پر مبنی ایسا معاشرہ جہاں مختلف نسلوں کے درمیان کوئی تصادم ہوتا ہے اور نہ مختلف ادیان کے مابین کوئی کش مکش۔ نہ مختلف طبقات آپس میں دست و گریباں ہوتے ہیں، نہ مختلف مذاہب (مسالک) ایک دوسرے سے گتھم گتھا۔اسلام کا معاشرتی نصب العین یہ ہے کہ زندگی کی ضرورتوں اور کفالتوں میں سارے انسان ایک برادری کے مانند ہیں اور اس خاص دائرے میں زندہ رہنے اور پھلنے پھولنے کا حق سب کو حاصل ہے۔خود توحید کا عقیدہ نسل انسانی کی شیرازہ بندی کو مستحکم کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا اور آدم علیہ السلام کی اولاد ہونا ان کے اتحاد کی وجہ ہے۔

عقائد کے بعد اسلام نے جن امور کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے وہ سماجی اور معاشرتی اقدار ہیں۔ ریاست مدینہ کی اولیں خشت پر غور کریں تو ہمیں نبی کریم ﷺ کی وہ ہدایات جو مدینہ سے آنے والے اولیں بارہ مسلمانوں کو دی گئیں۔ان پر ایک نظر ڈالنی ہوگی۔ یہ وہ عزیم الشان افراد تھے جنہوں اللہ کے رسول ﷺ کی مدینہ طیبہ میں ہجرت فرمانے سے قبل اسلام کے زریں اصولوں کی روشنی میں ریاست مدینہ کے قیام میں اہم کردار ادا کیا۔آپ ﷺ نے اللہ اور اللہ کی رسول کی اطاعت کے علاوہ جن معاشرتی برائیوں سے معاشرہ کو پاک رکھنے کا عہد لیا اور وہ درج ذیل ہیں گویا ریاست مدینہ کے ہر فرد کے مال ومنال کی حفاظت ضروری ٹھہری:

1۔چوری نہیں کریں گے

2۔زنا نہیں کریں گے۔ کسی بھی فرد کی عزت و آبرو پر حرف نہیں آئے گا۔نہ کسی کی عزت داغدار ہوگی

3۔اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ بنی نوع انسان کی جان ہر صورت میں محفوظ کی جائے گی

4۔کسی پر افترا نہ باندھیں گے۔ کسی بھی فرد کی عزت نفس کو مجروع نہیں کیا جائے گا

(سیرت ابن ہشام جلد اول صفہ 288)

یہاں آپ غور کریں کہ اگرچہ اسلام کا نظام عبادت بہت اہم ہے لیکن عبادات پر زور نہیں دیا گیا بلکہ معاشرے میں امن وسکون کی فضا پیدا کرنے کے لیے چند اہم معاشرتی برایوں کے خاتمے کی طرف توجہ مبذول کروائی گئی جو اس وقت معاشرے میں معمولی سمجھی جاتی تھیں لیکن اس سے معاشرہ برباد ہو رہا تھا۔

نبی مکرم ﷺ کا ریاست مدینہ کی تشکیل کا اولیں خطبہ آپ نے ملاحظہ کیا ہے۔اب جبکہ ریاست کے تمام نظام مکمل ہورہے ہیں تو حضور اکرم ﷺ نے وہ خطبہ ارشاد فرمایا جسے تاریخی حقائق کی روشنی میں انسانیت کا سب سے اولیں اور مثالی عالمی منشور اعظم کہا جاتا ہے۔اسے خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے جانا جاتا ہے۔حضور اکرم ﷺ نے اس آخری حج کے موقع پر اپنے وصال سے صرف تین ماہ قبل تقریبا ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمانوں کے سامنے یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔۔ یہ خطبہ اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے اور اسلام کے سماجی، سیاسی اور تمدنی اصولوں کا جامع مرقع ہے، اس کے اہم نکات اور ان کے مذہبی اخلاقی اہمیت کے پیش نظر یہاں اختصار کے ساتھ چند نقاط میں سمیٹا جائے گا:

1۔مساوات انسانی کا درس

کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ ہی کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے اور نہ کسی کالے کو گورے پر اور نہ کسی گورے کو کالے پر برتری ہے سوائے تقویٰ کے۔

2۔حقوق کی ادائیگی

اللہ اور اس کے رسول کے حقوق کے ساتھ حقوق العباد ادا کیے جائیں۔جبکہ سب کے حقوق و فرائض واضح کیے جاچکے ہیں

3۔جان و مال کا تحفظ

تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے کے لیے اُسی طرح حرام ہیں (یعنی عزت والی ہیں) جس طرح اس شہر (مکہ) میں، اس ماہ (ذوالحجۃ الحرام) میں آج کا دن عزت و حرمت والا ہے۔

4۔آزادی کا حق

ہر انسان فطری طور پر آزاد پیدا ہوتا ہے۔اصول و قوانین سے ہٹ کر اس کی آزادی پر کسی قسم کی پابندیاں نہیں لگائی جاسکتیں۔

5۔حقوق زوجین کا تحفظ

تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں اسی طرح ان پر تمہارے حقوق واجب ہیں۔عورتوں کا تم پر حق ہے کہ ان کو اچھی طرح کھلایا پلایا کرو۔ان کے بارے میں اللہ سے ڈرنا۔

6۔جائداد رکھنے کا حق

اسلام کسی تمیز کے بغیر تمام شہریوں کو جائداد خریدنے کا حق دیتا ہے۔اسلامی مملکت میں حکومت بے وجہ کسی انسان کی جائداد ضبط نہیں کرسکتی۔دوسری صورت میں شہری کو معقول معاوضہ دینا پڑتا ہے۔

7۔سود کے خاتمے کا تاریخی اعلان

دور جاہلیت کا سود ختم کردیا گیا۔آغاز اپنے خاندان سے کیا اور آپ نے اپنے خاندان کا تمام تر سود معاف فرمادیا۔

8۔گمراہی سے بچنا

کتاب اللہ اور سنت سول ﷺ کو مضبوطی سے تھامے رکھنا گمراہی اور فتنوں سے بچے رہو گے۔

9۔عدل و انصاف کی حکمرانی

ہر کوئی اپنے عمل کا ذمہ دار ہوگا۔باپ بیٹے کی جگہ اور بیٹا باپ کی جگہ جوابدہ نہ ہوگا اس خطبے کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں پیغمبر آخرالزماں ﷺ نے محض مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ پوری انسانیت کو مخاطب کیا۔ اسی باعث آپ ﷺ نے خطبے میں سات بار ''اے لوگو!'' (الناس) کے کلمات ارشاد فرمائے۔آپ نے مسلم کی اصطلاح استعمال نہیں فرمائی۔بنی نوع انسان کو مخاطب کرنے کا مقصد یہی تھا کہ عام لوگوں کو تمام دنیاوی پابندیوں سے آزاد کرایا جائے۔

معاشرے کی بنیادی اکائی۔خاندان

خاندان انسانی معاشرے کی بنیادی اکائی ہے اور خاندان ہی سے معاشرہ کو تشکیل پاتا ہے۔معاشرے کے سب سے زیادہ حسین اور دلکش نظارے خاندان کے دائرے میں نظر آتے ہیں۔شوہر اور بیوی کی محبت، ماں باپ کی شفقت، چھوٹوں سے پیار، بڑوں کا احترام، بیماروں کی تیمارداری، معذوروں کی مدد، بوڑھوں کو سہارا، ایک دوسرے کے کام آنا، سب کو اپنا سمجھنا، خوشی اور غم کے مواقع پر جمع ہوجانا۔یہ اسلامی معاشرے کا طرہ امتیاز ہے۔غرض خاندان ایک چھوٹا سا سماج ہوتا ہے، اور یہ چھوٹا سماج جتنا زیادہ مضبوط اور خوبصورت ہو، کل معاشرے کے لیے اتنا ہی زیادہ مفید اور مددگار ہوتا ہے اور ایک مضبوط خاندان ہی پائیدار معاشرے کا ضامن ہے اور اگر خاندانی نظام میں موجود افراد کی تربیت درست انداز میں نہ ہو تو اس میں بگاڑ پیدا ہوجاتا ہے اور سماج کے لیے سنجیدہ مسائل پیدا ہوجاتے ہیں۔اگر یہ بگاڑ پیدا ہو جائے، تو بچے اخلاق باختہ ہوجاتے ہیں، بزرگوں کا احترام نہیں رہتا، ایسے میں معاشرہ جنسی بے راہ روی اور مجرمانہ تغافل کا شکار، شفقت و رحم سے عاری اور انسانی ہمدردی سے خالی ہوجاتا ہے۔علمائے معاشرہ کے مطابق خاندانی ہم آہنگی فرد کے جذباتی تحفظ کا باعث بنتی ہے۔اسلام کا شرف یہ ہے کہ وہ خاندان کو کو معاشرے کی اساس قرار دیتا ہے۔اور خاندان کے افراد میں مکمل یکجہتی، بھروسہ اور محبت و الفت کو لازم قرار دیتا ہے۔عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ اعتماد اور بھروسے کا رشتہ صرف میاں بیوی کے درمیان ہونا چاہیے۔ دراصل اس رشتے کا والدین اور بچوں کے درمیان ہونا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ایک دوسرے کے احساسات و جذبات سے آگاہی، ناکامیوں اور تکلیفوں کو مل کر بانٹنے اور خوشیوں میں ایک دوسرے کو شریک کرنے ہی سے خاندان کو ایک وحدت کی حیثیت ملتی ہے۔

خاندان بنیادی طور پر میاں بیوی اور اولاد پر مشتمل ہوتا ہے اور اسلامی معاشرے میں ان سب کے حقوق و فرائض متعین کیے ہیں تاکہ خاندان کا ماحول پرسکون اور خوشگوار رہے۔خاندان کی تشکیل کے لیے شادی جیسے اہم کام پر اسلام نے خصوصی ہدایات دی ہے۔قرآن مجید میں ہمیں جگہ جگہ شادی کی اہمیت اور اسے نبھانے کے بارے میں آیات ملیں گی۔قرآن ہر غیر شادی شدہ فرد کی شادی کے حق میں ہی نہیں بلکہ ضروری سمجھتا ہے۔ البتہ قرآنی تعلیمات صرف شادی کرنے پر زور نہیں دیتیں بلکہ اس کی اہلیت ہونے اور اسے نبھانے کے قابل ہونے پر بھی زور دیتی ہیں۔نبی کریم ﷺ کا بھی فرمان ہے کہ:

> ''تم میں جو شخص شادی کرنے کی طاقت رکھتا ہو اسے شادی کر لینی چاہئے، کیونکہ یہ نظر کو نیچی رکھنے والا اور شرمگاہ کو محفوظ رکھنے والا عمل ہے''۔
>
> (بخاری:5065)

اسلام میں پاکدامنی اور اپنی عفت کی حفاظت کرنا واجب ہے اور اس کے برعکس ایسا کام کرنا حرام ہے جو کہ شہوت کی زیادتی اور ایمان کی کمزوری کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اسی لیے آپ ﷺ نے پاکدامنی کی طرف رہنمائی فرمائی کہ:

> ''اے جوانو! تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی استطاعت رکھتا ہو وہ شادی کرلے کیونکہ نکاح سے نظر نہیں بہکتی اور شرم گاہ محفوظ رہتی ہے اور جو شخص نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ روزے رکھے کیونکہ روزے اس کی شہوت کو کم کردیتے ہیں''۔ (مسلم:1400)

بقیہ: صفحہ نمبر 28 پر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاثراتِ فکرونظر

وہ دور جب پیہم ملاقاتوں ،ضیافتوں اور رقابتوں رفاقتوں نے فضاؤں کوضوفشاں بنا رکھا تھا، پیر محمد افضل قادری اکثر ہمارے ہاں ڈیرہ نشیں رہتے ۔انہیں نسیمِ چمن عطر بیز کرنا آتی تھی اور رنگوں کو بے کیف کرنے کا بھی سلیقہ تھا۔عبدالقادر مصطفائی کا پیغام آیا کہ وہ تشریف لانا چاہتے ہیں لیکن رمضان کا پردہ مستقل ہی فاصلِ ملاقات ہوگیا۔

اعتقاداتِ صحیحہ اور حق بیانی میں انہیں جذبات کی تصویر اتارنا خوب آتی تھی ۔حسد، بخل اور خواہ مخواہ کی نفرتوں سے وہ دور ہی رہتے ۔صدق مقالی ان کا مسلک تھا۔سالوں ہم ایک دوسرے کی رہنمائی میں منزلوں کی تلاش میں رہے ۔خلافِ طبیعت باتوں پر انہیں خشمگین ہونا بھی آتا تھا لیکن قہقہہ وشادمانی کی کیفیات سے بھی وہ نا آگاہ نہیں تھے ۔آخری ملاقات پیر سید عرفان شاہ صاحب کے ڈیرے پر ہوئی ۔میں نے ہی عرض کی ''ادائے التفات'' کا رخ پلٹنے کی ضرورت ہے، فرمایا حاضری ہوگی ۔

سنا ہے زندگی کی آخری کشمکش میں کسی نے بٹن باندھنے چاہے تو فرمانے لگے:

''رہنے دو میں علی رضی اللہ عنہ کا ملنگ ہوں''۔

پیر صاحب ایسے نہیں، آپ نے بٹن اس لیے کھولے رکھے حریم دل میں کچھ تجلیاں اتر جائیں ۔حریمِ روح ضوفشاں ہوجائے ۔اللہ کے نام سے اور علی رضی اللہ عنہ کی نسبت سے یہ سارے کام ہوجاتے ہیں ۔

چھپی بیٹھی ہے تیری شخصیت تیری نواؤں میں
دنیا میٹھے سُروں میں تیری جدائی کے نغمے گاتی رہے گی ۔اللہ بخشے ۔

سید ریاض حسین شاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرد درویشے نہ گنجد در گلیم

الحاج غلام مرسلین کی رحلت کے موقع پر گلدستۂ حروف

الحاج غلام مرسلین دو ماہ موت اور حیات کی کشمکش میں رہنے کے بعد راہی عدم ہو گئے۔ غلام مرسلین کی زندگی مقناطیسی کشش کی حامل رہی۔ انہوں نے اپنی شخصیت کو جس ماحول میں ترقی یافتہ بنایا وہ محبت، خدمت اور عاجزی تھی۔ وہ پچاس سال کے قریب مکہ اور مدینۃ المنورہ میں مقیم رہے۔ زائرین کی خدمت کرتے رہے اور دعائیں لیتے رہے۔ ہم بھی ان کی خدمت اور محبت کی زنجیروں میں گرفتار رہے۔ گاؤں میں ہسپتال بنانے کا چلہ ابھی پورا ہی کیا کہ اللہ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ وہ حافظِ قرآن تھے، ہر وقت نعت گنگنانا ان کا لطیف مشغلہ تھا۔ ان کی خدمت کے چشمہ سے غریب امیر سیراب ہوتے تھے۔ ان کے مکہ والے ہوٹل سے لنگر کی طرح خدمت ہوتی تھی۔ وہ انسانوں کو بحرانوں سے نکالنا مذہب سمجھتے تھے۔ وہ جب بھی مجھ سے ملتے اپنے بچوں اور بچیوں میں اعلیٰ نظام افکار کی تشکیل کے لیے کوشاں ہونے کا عندیہ دیتے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔

جلدی میں چند حروف لکھے اس لیے کہ ابھی عاشق کے جنازہ اٹھنے کا وقت ہوا چاہتا ہے۔ ان کی میت کا تصور کر کے احساس ہوا کہ انسان اس دنیا کے لیے بنایا ہی نہیں گیا اور دنیا بھی شاید انسان کے لیے نہیں بنائی گئی۔

سید ریاض حسین شاہ

سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ

ایم۔ اتیج اختر

رسول خدا احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے تمام صحابہ واہل بیت باکمال تھے ہی لیکن کچھ خاص الخاص بھی تھے۔ جن میں سے ایک آقا کریم ﷺ کے محبوب ترین چچا حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی ہیں جن کے اسلام کے حوالے سے بہت سے کارنامے ہیں۔ جن کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ ان سے بہت خاص محبت فرماتے تھے۔

اگر کسی اللہ کے ولی کے محاسن بیان کرنے ہوں تو بے شمار کتابیں بھر جائیں اور یہ تو پھر عم رسول ﷺ ہیں اور اس کے ساتھ صحابی رسول بھی ہیں۔ کہاں وہ اور کہاں ہم سے کہ ان کی منقبت کا حق ادا کرسکیں۔ اس لیے ان کے مختصراً حالات کا تذکرہ کرکے اپنی آخرت کا کچھ سامان کرلیتے ہیں۔

اسم گرامی

آپ مبارک اسم ''حمزہ'' رضی اللہ عنہ ہے۔

کنیت

آپ کی کنیت ''ابویعلی'' اور ''ابوعمارہ'' ہے۔

لقب

آپ کے کئی ایک القابات ہیں لیکن زیادہ مشہور ''سید الشہداء'' اور دوسرا ''اسداللہ واسدالرسول اللہ'' ہیں۔

سلسلہ نسب اور رسول اللہ ﷺ سے تعلق

آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ حمزہ ابن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی۔ آقا ﷺ سے آپ کے کئی رشتے تھے مثلاً سب سے پہلا آپ آقا کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے سگے چچا تھے۔ دوسرا رشتہ آپ آقا علیہ الصلوۃ والسلام کے رضاعی بھائی بھی تھے کہ آپ دونوں نے ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی حضرت ثویبہ کا دودھ پیا تھا۔

تیسرا تعلق رسول اللہ ﷺ سے آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وھب کی نسبت سے تھا کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہالہ بنت وھیب حضرت آمنہ کی چچا زاد بہن تھیں۔ اس نسبت سے حضرت حمزہ رسول اللہ ﷺ کے خالہ زاد بھائی بھی ہوئے۔ یوں تین تین نسبتوں سے رشتہ تھا۔ سبحان اللہ کہاں ایک غلامی کا رشتہ سعادت کی بات اور کہاں تین تین نسبتوں کو یکجا پانا اس سے بڑھ کر کیا خوش نصیبی ہوگی بھلا!

سن ولادت ورضاعت

آپ رضی اللہ عنہ کے سن ولادت میں اختلاف ہے۔ بعض سیرت نگار آپ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ سے عمر میں دو سال بڑا بتاتے ہیں اور بعض چار سال لیکن طبقات ابن سعد میں آپ کو چار سال بڑا بتایا گیا ہے۔ اس حساب سے آپ کی ولادت 567ء بنتی ہے چونکہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت 571ء پر سب کا اتفاق ہے۔ امیر حمزہ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ کی رضاعت قبیلہ بنی بکر میں ہوئی۔

حلیہ مبارک

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بہت خوبصورت اور حسین وجمیل تھے خوبصورت پیشانی، درمیانہ قد، سرخ وسفید رنگ اور چھریرا بدن تھا۔ آپ کی آواز گرجدار وبارعب تھی۔ دشمن اسلام آپ سے ہمیشہ خوفزدہ رہتا تھا۔

مشاغل

آپ رضی اللہ عنہ کو بچپن سے ہی تیراندازی، نیزہ بازی، پہلوانی اور شکار کا شوق تھا۔ جب آپ نے اسلام قبول کیا تب بھی آپ شکار سے ہی لوٹے تھے۔ اہل عرب آپ کی بہادری اور جرات مندی کی مثالیں دیا کرتے تھے۔ وہ آپ کی دلیری وشجاعت سے متاثر ہوتے تھے۔

رسول خدا احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے تمام صحابہ واہل بیت باکمال تھے ہی لیکن کچھ خاص الخاص بھی تھے۔ جن میں سے ایک آقا کریم ﷺ کے محبوب ترین چچا حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی ہیں جن کے اسلام کے حوالے سے بہت سے کارنامے ہیں۔ جن کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ ان سے بہت خاص محبت فرماتے تھے۔

قبول اسلام

ویسے تو تمام صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو رسول اللہ ﷺ سے عشق تھا اور ان کا ہر صحابی جانثاری سے سرشار تھا لیکن حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ سے والہانہ عشق تھا اور یہ عشق اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی موجود تھا کیونکہ آپ ﷺ کو آقا ﷺ سے ادبی مناسبت بھی تھی۔ جیسے روحوں کو آپس میں ہوتی ہے۔ سیدالشہداء کی روح رسول خدا کی روح مبارکہ سے بھی ایک ایسی ہی گہری مناسبت تھی۔ قبول اسلام ابھی کیا نہیں کہ ایک دن شکار سے لوٹے تو ابن جدعان کی لونڈی نے آپ رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ ابوجہل لعین نے رسول خدا سے بدتمیزی کی اور ساتھ آپ ﷺ کو زخمی بھی کردیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو فوراً بھتیجے کی محبت نے جوش مارا اور سیدھے ابوجہل کے سر پر جاکر اس زور سے کمان ماری کے اس کا سر پھٹ گیا اور خون کا فوارا پھوٹ پڑا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے گرجدار آواز میں فرمایا:

اتشتمہ و انا علی دینہ

اے ابوجہل! تیری یہ مجال کہ تو میرے بھتیجے کو گالیاں نکالے حالانکہ میں نے اس کا دین قبول کرلیا ہے۔ اگر تجھ میں اتنی ہمت ہے تو آ اور مجھے روک کر دکھا۔

وہاں پر بنومخزوم کے لوگ آگے بڑھنے لگے تو ابوجہل مکار نے سوچا کہ ان لومڑیوں سے اس دلیر و شجاعت والے عم رسول سے مقابلہ نہ ہوپائے گا تو کہنے لگا کہ نہیں چھوڑ دو میں نے واقعی آج اس کے بھتیجے کے ساتھ دشنام طرازی کی ہے۔

آپ نے بری مجلس میں قبول اسلام کا اعلان کردیا جب گھر پہنچے تو پریشان ہوگئے پھر درِ رسول ﷺ پر حاضر ہوئے اور عرض کی یہ دلی تنگی دور فرمادیں۔ اپنے دین کی تعلیمات مجھے بتائیں تاکہ میں فیصلہ کرسکوں تو رسول اللہ ﷺ نے جب محبت کے پھول نچھاور فرمائے تو فوراً

اسلام قبول کرلیا تا کہ کہیں دیر نہ ہوجائے۔

ان کی طبیعت میں شروع سے بے فکرہ پن تھا بس اپنے مشاغل میں مشغول رہتے حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ ایسا کوئی دعویٰ محمد مصطفی ﷺ نے فرمایا ہے لیکن آپ نے زیادہ توجہ نہ دی بس دل ان سے شروع ہی سے جوڑا ہوا تھا کیونکہ روحِ رسول ﷺ سے نسبت تھی محبت تھی، والہانہ عشق تھا کہ آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے چند دن پہلے اسلام قبول کیا تھا۔

آپ کے قبول اسلام سے کفر پر ہیبت و دبدبہ طاری ہوگیا۔ قبول اسلام پر لشکر خداوندی کے طور پر اشعار بھی کہے جن میں سے ایک یہ ہے:

حمدت الله حين هدى فوادى
الى الاسلام والدين الحنيف

میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہوں جب اس نے میرے دل کو ہدایت دی۔ اسلام قبول کرنے کے لیے جو کہ دین حنیف ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شعب ابی طالب میں تین سال محصوری بھی برداشت کی پھر جب اذنِ ہجرت ملا تو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی مواخات کے لیے رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اپنے جان نثار اور آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔ آپ جب بھی مدینہ منورہ سے باہر جاتے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کو وصیت کر کے جاتے۔

غزوات وسرایا میں شرکت

سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ لشکر اسلام کے سب سے پہلے امیر لشکر بھی ہیں۔ ہجرت کے چھ سات ماہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کے تجارتی قافلے پر چھاپہ مارنے کے لیے یہ لشکر روانہ کیا تھا۔ اس لشکر کی قیادت حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ یہ لشکر کفار مکہ سے ٹکرایا ضرور تھا لیکن جنگ نہیں ہوئی تھی۔ قبیلہ جہنیہ کے سردار نے بیچ بچاؤ کروایا تھا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سال کے بعد یعنی صفر کے مہینے میں ایک لشکر کی قیادت کی جس کا مقصد قریش مکہ کے تجارتی قافلے پر چھاپہ مارنا ہی تھا۔ اس لشکر کا علم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا اس لشکر کا بھی کفار مکہ سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ اس غزوہ کا نام غزوہ ابواء اور غزوہ ودان دونام ہیں۔

آقا کریم ﷺ کو معلوم ہوا کہ کفار مکہ کا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ شام جارہا ہے۔ آپ نے ڈیڑھ سو مہاجرین کے ساتھ چھاپہ مارنا تھا کیونکہ کفار مکہ مدینہ طیبہ پر حملے کی تیاری کررہے تھے اس کے لیے انہیں سرمایہ درکار تھا اس لشکر کے علمبردار بھی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے اس غزوہ کا نام ذی العشیرہ تھا۔

غزوہ بدر جسے ''یوم الفرقان'' بھی کہا جاتا ہے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ایسے دادِ شجاعت وصول کی کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اسد اللہ واسد الرسول اللہ کا لقب عطا فرمایا۔

کفار مکہ نے خود اعتراف کیا کہ اس جنگ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے سب سے زیادہ نقصان پہنچایا۔ اسی شجاعت و بہادری کو دیکھتے ہوئے امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ان کے آگے وہ حمزہ کی جانبازیاں
شیر غران سطوت پہ لاکھوں سلام

آپ جس طرف بھی جاتے کفار کے ٹکڑے ٹکڑے کردیتے۔ آپ دونوں ہاتھوں سے تلوار چلاتے تھے۔ اس غزوہ کا پہلا مقتول اسود مخزومی تھا جو کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ غزوہ بنو قینقاع ہجرت کے 20 ماہ بعد ماہ شوال میں پیش آیا یہ یہودیوں کے ساتھ پہلا معرکہ تھا۔ اس لشکر کے علمبردار بھی سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ تھے۔

غزوہ احد میں شہادت

ہجرت کے تیسرے سال شوال میں کفار مکہ نے بھرپور تیاری کے ساتھ مدینہ منورہ پر چڑھائی کردی وہ غزوہ بدر میں شکست کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنا لشکر تیار کیا اور دفاع کے لیے میدان میں اترے۔ اس جنگ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی شجاعت اور جراتمندی سے کفار کا مقابلہ کیا۔

جنگ بدر میں جن قریش مکہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا ان کے گھروں کی عورتوں کو وہ انتقام کی آگ میں جل رہی تھیں ان میں سے ایک ابوسفیان کی بیوی ہندہ بھی تھی جس کے باپ اور جبیر بن مطعم کے چچا بھی قتل ہوئے تھے۔ جنہیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے واصل جہنم کیا تھا۔ وہ اس چیز کا بدلہ چاہتے تھے اس بنا پر ہندہ اور جبیر بن مطعم نے وحشی کو دولت اور آزادی کا لالچ دے کر قتل پر آمادہ کروالیا جس وقت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلوار سے سباع بن عبدالعزی کا سر کاٹا، اس وقت وحشی نے چھپ کر زہر میں بجھے ہوئے نیزے سے آپ پر پیچھے سے وار کیا جس کی وجہ سے آپ کی شہادت ہوگئی۔ ہندہ کو پتہ چلا تو اس نے آپ کا جگر نکال کر چبایا لیکن نگل نہ سکی پھر آپ کے جسم مبارک کی بے حرمتی کی۔ آپ کے اعضاء کو کاٹ کر گلے کا ہار بنا کر پہنا جب رسول اللہ ﷺ کو آپ کی شہادت کا پتہ چلا آپ بے حد رنجیدہ ہوئے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے یہاں تک کہ ہچکی بندھ گئی۔

آپ ﷺ کو جس قدر دکھ اور تکلیف ہوئی اس سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی صحبت واضح ہوجاتی ہے۔ آپ ﷺ نے پہلے اکیلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی پھر ہر صحابی کے ساتھ بار بار نماز جنازہ پڑھاتے رہے۔ یوں ستر مرتبہ نماز جنازہ پڑھائی گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سيد الشهداء حمزه بن عبد المطلب.

''حمزہ شہیدوں کے سردار ہیں''۔

رسول اللہ ﷺ خود بھی آپ کی قبر پر تشریف لے جاتے اور سیدہ کائنات حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بھی اکثر تشریف لاتیں فاتحہ کے لیے اور قبر مبارکہ کی مٹی درست فرماتیں۔ فتح مکہ کے بعد جب حضرت وحشی نے اسلام قبول کرلیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں قبول کرلیا لیکن فرمایا: میرے سامنے نہ آیا کرو یعنی آپ کو اپنے پیارے چچا جان یاد آتے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وحشی پر اس قدر شراب کی حد لگائی جاتی رہی کہ انہیں دیوان سے بھی نکال دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے قاتل حمزہ پر عذاب ہے کہ چین سے نہ بیٹھے بعد میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے مسلمہ کذاب کو قتل کیا تو فرمانے لگے کہ حالت کفر میں سب سے بہتر کو شہید کیا ہے اور حالت اسلام میں بدترین کو قتل کیا ہے۔

سیدہ کائنات حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اکثر تشریف لاتیں فاتحہ کے لیے اور قبر مبارکہ کی مٹی درست فرماتیں

غزوۂ اُحد

ڈاکٹر عبدالحسیب سرفراز

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (سورۃ آل عمران۔121)

''اور یاد کرو (اے محبوب ﷺ) جب صبح سویرے اپنے در دولت سے روانہ ہو کر مسلمانوں کو (غزوۂ اُحد کے موقع پر اہلِ مکہ کی جارح فوجوں کے خلاف دفاعی) جنگ کے لئے مورچوں پر ٹھہرا رہے تھے اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے''۔

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں غزوہ اُحد کی طرف اشارہ ہے جو عالمِ اسلام اور تاریخِ اسلام کی دوسری بڑی جنگ تھی۔ یہ جنگ بغیر کسی نتیجہ کے اختتام پذیر ہوئی اور مسلمانوں کو کافی حد تک مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ غزوہ اُحد کا معرکہ شوال 3 ہجری میں اُحد کے پہاڑ کے عقب میں واقع میدان میں وقوع پذیر ہوا۔

پس منظر

غزوۂ بدر میں شکست کھانے کا کفار کو بڑا رنج وملال تھا۔ معرکۂ بدر میں کفارِ مکہ کو شکست وہزیمت اور اشراف کے قتل کا جو صدمہ برداشت کرنا پڑا اس کے سبب وہ مسلمانوں کے خلاف غیظ وغضب سے کھول رہے تھے۔ بدر کی شکست کے بعد انہوں نے متفقہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں سے ایک بھرپور جنگ لڑ کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کریں اور اپنے جذبہ غیظ وغضب کو تسکین دیں اور اس کے ساتھ ہی معرکہ آرائی کی تیاریاں بھی شروع کر دیں۔ اس معاملے میں سردارانِ قریش میں سے عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن اُمیہ، ابوسفیان بن حرب اور عبداللہ بن ابی ربیعہ زیادہ پرجوش اور پیش پیش تھے۔

اہلِ مکہ کی تیاریاں

اہلِ مکہ نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ ابوسفیان کا وہ قافلہ جو جنگِ بدر کا باعث بنا تھا اور جسے ابوسفیان بچا کر نکال لے جانے میں کامیاب ہو گیا تھا' اس کا سارا مال جنگی اخراجات کے لیے روک لیا اور جن لوگوں کا مال تھا ان سے کہا: ''اے قریش والو! تمہیں محمد ﷺ نے سخت دھچکا لگایا ہے اور تمہارے منتخب سرداروں کو قتل کر ڈالا ہے لہٰذا ان سے جنگ کرنے کے لیے اپنے مال کے ذریعے مدد کرو، ممکن ہے کہ ہم بدلہ چکا لیں''۔ قریش کے لوگوں نے اسے منظور کر لیا۔ چنانچہ یہ سارا مال، جس کی مقدار ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار تھی، جنگ کی تیاری کے لیے بیچ ڈالا۔ پھر انہوں نے رضا کارانہ جنگی خدمت کا دروازہ کھول دیا۔ اس کے علاوہ اہلِ مکہ نے اشعار کے ذریعے لوگوں کی غیرت و حمیت کو جگایا۔ ایک مشہور شاعر ابوعزہ جو جنگ بدر میں قید ہوا تھا اور جس کو رسولِ کریم ﷺ نے یہ عہد لے کر کہ وہ آپ ﷺ کے خلاف کبھی نہ اُٹھے گا بلا ان کا فدیہ چھوڑ دیا تھا، اس کو صفوان بن اُمیہ نے ابھارا کہ وہ قبائل کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کا کام کرے۔ چنانچہ ابوعزہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو بھلا دیا اور ایک بار پھر سے اہلِ مکہ کے جذبات کو ابھارنا شروع کر دیا۔ خواتین کی جانب سے ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے اپنے گھر پر محفلیں شروع کر دیں جن میں خواتین کو اشعار کے ذریعے جنگ کے لیے ابھارا جاتا جس کے نتیجے میں خواتین نے اپنے زیورات بھی جنگ کی تیاری کے لیے خیرات کر دیے۔

قریش کا لشکر اور سامانِ جنگ

قریش کی تیاری کو مکمل ہوتے ہوتے ایک سال پورا ہو گیا۔ تمام مشرکینِ مکہ کو ملا کر کل تین ہزار کی فوج تیار ہوئی۔ قائدینِ قریش اس رائے پر متفق ہوئے کہ اپنے ساتھ عورتیں بھی لے چلیں تا کہ حرمت وناموس کی حفاظت کا کچھ احساس ہو لہٰذا پندرہ خواتین بھی قریش کے قافلے میں شامل ہو گئیں جن میں ابوسفیان کی بیوی ہندہ بھی شامل تھی۔ مشرکین کے دستے کی کمان ابوسفیان کر رہا تھا۔

مدینے میں اطلاع اور ہنگامی صورتحال

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ قریش کی اس ساری نقل وحرکت کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے تمام تفصیلات ایک قاصد کے ذریعے خط کی صورت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں بھیجی۔ یہ خط حضرت ابی کعب رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو پڑھ کر سنایا۔ آپ ﷺ نے انہیں رازداری برتنے کی تاکید کی۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں ہنگامی صورتحال نافذ کر دی گئی۔ لوگ کسی بھی ناگہانی صورتحال سے نمٹنے کے لیے ہمہ وقت ہتھیار بند رہنے لگے یہاں تک کہ دورانِ نماز بھی ہتھیار جدا نہیں کیے جاتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ، حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ پر مشتمل یہ مختصر سا دستہ رسول اللہ ﷺ کی نگرانی پر تعینات ہو گیا۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ہتھیار پہن کر ساری ساری رات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دروازے پر گزار دیتے تھے۔

صحابہ کرام کی یہ سنت طالبانِ مولیٰ کے لیے ایک سبق ہے کہ ایسا مرشد کامل اکمل جو قدمِ محمد ﷺ پر ہوتا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلیفہ ونائب ہوتا ہے اس کی حفاظت کے لیے کسی بھی قسم کی قربانی دینے سے دریغ نہیں کرنا چاہیے اور مرشد کامل اکمل جامع نور الہدیٰ کی ڈیوٹی کے لیے اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔

مدینے کی دفاعی حکمتِ عملی کے لیے مجلسِ شوریٰ کا اجلاس

اس ہنگامی صورتحال کے پیشِ نظر حضور نبی اکرم ﷺ نے مجلسِ شوریٰ کا اجلاس منعقد فرمایا اور ممبرانِ شوریٰ کو ایک خواب سنایا۔ آپ ﷺ نے بتایا کہ میں نے ایک بھلی چیز دیکھی میں نے دیکھا کہ کچھ گائیں ذبح کی جا رہی ہیں اور میں نے دیکھا کہ میری تلوار کے سرے پر کچھ شکستگی ہے اور یہ بھی دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک محفوظ زرہ میں داخل کیا ہے پھر آپ ﷺ نے گائے کہ یہ تعبیر بتلائی

کہ آپ ﷺ کے گھر کا کوئی آدمی شہید ہوگا اور محفوظ زرہ سے مراد شہر مدینہ ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت اور عبداللہ بن ابی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن کی حکمت عملی وضع کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے مشاورت کی۔ اس مشاورتی اجلاس میں انصار اور مہاجر دونوں شامل تھے۔ آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کو بھی مدعو کیا۔ عبداللہ بن ابی کو پہلی مرتبہ کسی مشاورت میں شامل کیا گیا تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شہر کے اندر رہ کر ہی لڑائی کرنے کا مشورہ دیا کیونکہ اس حکمتِ عملی کے تحت اگر مشرکینِ مکہ اپنے کیمپ میں مقیم رہتے ہیں تو بے مقصد اور برا قیام ہوگا اور اگر مدینے میں داخل ہوتے ہیں تو مسلمان گلی کوچے کے ناکوں پر ان سے جنگ کریں گے یہی صحیح رائے تھی اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا لیکن اس کے اتفاق کی وجہ یہ نہ تھی کہ جنگی نقطہ نظر سے یہی درست موقف تھا بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ جنگ سے دور بھی رہے اور اس کے اس قبیح فعل کا کسی کو احساس بھی نہ ہو مگر اللہ پاک کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اللہ پاک اس کی منافقت اور دوغلے پن سے پردہ اُٹھانا چاہتا تھا تاکہ مسلمانوں کو اپنے مشکل ترین وقت میں منافق اور کافر کی پہچان ہو جائے۔ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہ نے' جو بدر میں شرکت سے رہ گئے تھے' بڑھ کر نبی اکرم ﷺ کو مشورہ دیا کہ کھلے میدان میں چل کر مقابلہ کیا جائے انہوں نے اپنی رائے پر سخت اصرار کیا۔ ان گرم جوش حضرات میں خود رسول کریم ﷺ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سرِ فہرست تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ معرکہ بدر میں اپنی تلوار کا جوہر دکھا چکے تھے پھر آپ ﷺ اپنے حجرۂ مبارک میں تشریف لے گئے اور زرہ بکتر زیب تن کی اور تلوار تھام کر باہر تشریف لائے۔ جو سچے طالبانِ مولیٰ ہوتے ہیں وہ اپنے مرشد کا ایک ایک اشارہ سمجھ کر اس کی رضا کے مطابق ہی عمل کرتے ہیں سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ کے اس طرح زرہ بکتر میں باہر آنے کا مقصد سمجھ گئے اور کھلے میدان میں جا کر لڑنے کا فیصلہ ہو گیا۔

اسلامی لشکر کی ترتیب

نبی اکرم ﷺ نے لشکرِ اسلام کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا:

1۔ مہاجرین کا دستہ۔ اس کا پرچم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا کیا۔

2۔ قبیلہ اوس (انصار) کا دستہ۔ اس کا علم حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

3 ۔ قبیلہ خزرج (انصار) کا دستہ۔ اس کا علَم حباب بن مُنذِر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

اسلامی لشکر ایک ہزار (1000) مردانِ جنگی پر مشتمل تھا جن میں ایک سو زرہ پوش اور پچاس شہسوار تھے۔ حضرت اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ کو اس کام پر مقرر فرمایا گیا کہ وہ مدینے کے اندر رہ جانے والے لوگوں کو نماز پڑھائیں گے۔

اُحد اور مدینے کے درمیان شب گزاری

اُحد اور مدینہ کے درمیان ''شیخان'' نامی ایک مقام پر حضور نبی اکرم ﷺ نے رات گزارنے کا حکم فرمایا۔ پہرے کے لئے پچاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا گیا جو کیمپ کے اردگرد گشت کرتے رہتے تھے۔ ان کے قائد محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔

عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کی سرکشی

طلوع فجر سے کچھ پہلے قافلہ چل پڑا اور پھر مقام ''اشواط'' پہنچ کر نمازِ فجر ادا کی گئی۔ آپ ﷺ دشمن کے بالکل قریب تھے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین نے بغاوت کر دی اور ایک تہائی لشکر یعنی تین سو افراد کو لے کہ یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا کہ اس کی بات نہیں مانی گئی اور دوسروں کی بات مان لی۔ یقیناً اس کی علیحدگی کا سبب وہ نہیں تھا جو اس منافق نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات نہیں مانی۔ اگر یہ وجہ ہوتی تو وہ مدینہ منورہ سے مقام اشواط تک کبھی نہ آتا بلکہ وہیں سے الگ ہو جاتا بلکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ اس نازک موڑ پر الگ ہو کر اسلامی لشکر میں ایسے وقت اضطراب اور کھلبلی مچانا چاہتا تھا جب دشمن اس کی ایک ایک نقل وحرکت دیکھ رہا تھا تاکہ اسلامی لشکر کے حوصلے ٹوٹ جائیں اور دوسری طرف یہ منظر دیکھ کر کفار کی ہمت بندھ جائے لہٰذا یہ کاروائی نبی کریم ﷺ اور ان کے مخلص ساتھیوں کے خاتمے کی ایک تدبیر تھی جو اس منافق نے اپنائی اور اس کے کفر و نفاق سے اللہ پاک نے پردہ اُٹھا دیا۔

غزوہ احد میں منافق کی اس حرکت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا:

''اور ایسے لوگوں کی بھی پہچان کرا دے جو منافق ہیں اور جب ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا (وضاحتاً کہا گیا کہ دشمن کے حملے کا) دفاع کرو تو کہنے لگے اگر ہم جانتے کہ (واقعتا) لڑائی ہوگی (یا ہم اسے اللہ کی راہ میں جنگ جانتے) تو ضرور تمہاری پیروی کرتے، اس دن وہ (ظاہری) ایمان کی نسبت کھلے کفر سے زیادہ قریب تھے، وہ اپنے منہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں اور اللہ (ان باتوں) کو خوب جانتا ہے جو وہ چھپا رہے ہیں''۔ (سورہ آلِ عمران۔167)

اس کے بعد اسلامی لشکر کی تعداد 700 رہ گئی۔ اس منافق کی یہ حرکت دیکھ کر مزید دو جماعتوں یعنی قبیلہ اوس میں سے بنو حارثہ اور قبیلہ خزرج میں سے بنو سلمہ کے قدم بھی لڑکھڑا چکے تھے اور وہ واپسی کی سوچ رہے تھے لیکن اللہ پاک نے ان کی دستگیری کی اور یہ دونوں جماعتیں اضطراب اور ارادہ واپسی سے باز رہیں۔ انہیں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورہ آلِ عمران، آیت 122 میں ارشاد فرمایا:

''اور جب تم میں سے دو جماعتوں نے فیصلہ کیا کہ بزدلی اختیار کریں اور اللہ ان کا ولی ہے اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے''۔

دفاعی منصوبہ

اُحد کے مقام پر پہنچ کر آپ ﷺ نے لشکر کی ترتیب و تنظیم فرمائی اور جنگی نقطۂ نظر سے اسے کئی صفوں میں تقسیم فرمایا۔ آپ ﷺ نے صف بندی اس بہترین انداز میں فرمائی کہ جبلِ احد لشکر کی پشت پر تھا اور دشمن سامنے۔ تاہم پیچھے کی طرف ایک گھاٹی ایسی تھی جہاں سے دشمن اچانک حملہ آور ہو سکتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی بہترین جنگی حکمتِ عملی کے تحت ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ منتخب کیا جو پچاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہ پر مشتمل تھا۔ اس دستے کی کمان حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ (انصاری) کے سپرد کی اور وادی قناۃ کے جنوبی کنارے پر واقع اس گھاٹی پر تعینات کیا جس کے ذریعے کفار مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکتے تھے جب صحابہ کرام کا مستعد دستہ اس پہاڑی پر اپنے فرائض کی غرض سے تعینات ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے تیر اندازوں کو ہدایات دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''شہسواروں کو تیر مار کر ہم سے دور رکھو۔ ہم جیتیں یا ہاریں تم اپنی جگہ پر ڈٹے رہنا۔'' پھر آپ ﷺ نے تیر اندازوں کو مخاطب کر کے فرمایا ''ہماری پشت کی حفاظت کرنا۔ اگر دیکھو کہ ہم مارے جا رہے ہیں تو ہماری مدد کو نہ آنا اور اگر دیکھو کہ ہم مال غنیمت سمیٹ

رہے ہیں تو ہمارے شریک نہ بننا'' ان سخت احکامات کے ساتھ آپ ﷺ نے اپنے خطاب کا اختتام فرمایا۔ اس جنگی منصوبہ سے حضور اکرم ﷺ کی فوجی قیادت کی صلاحیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت زُبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو یہ مہم سونپی گئی کہ وہ خالد بن ولید (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) کے شہسواروں کی راہ روکیں گے۔

جنگ کا آغاز

دونوں جماعتیں آمنے سامنے آگئیں سب سے پہلے کفار کی جانب سے علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ عبدری میدان میں اترا اور اسلامی صف سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور ایک ہی جست میں اس مشرک کا کام تمام کر کے اسے واصلِ جہنم کر دیا۔ اس کے بعد گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ کفار کا علم طلحہ بن ابی طلحہ کی ہلاکت کے بعد اس کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ نے تھام لیا اس شخص پر حضرت حمزہ بن عبدالمطلب نے حملہ کیا اور تلوار کے ایک ہی وار سے اس کے بازو کو تن سے جدا کر دیا۔ پھر میدان میں قتل و خونریزی شروع ہوگئی۔ اسلامی صفوں میں عشقِ رسول کی شمع روشن تھی اس لیے وہ اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر کافروں کو جہنم رسید کر رہے تھے۔ جبل رماۃ پر جن تیر اندازوں کو رسول اللہ ﷺ نے متعین فرمایا تھا انہوں نے بھی جنگ کی رفتار مسلمانوں کے موافق چلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے خالد بن ولید کے شہسواروں کو روکے رکھا۔ کچھ دیر جنگ اسی طرح جاری رہی اور مسلم لشکر مشرکین کی بھاری فوج پر حاوی رہا اور مشرکین کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ مسلمانوں کے سات سو کے لشکر نے کفار کے تین ہزار کے دستہ کو تھکا کر رکھ دیا اور صواب (مشرکین کا علمبردار) کے قتل کے بعد کفار ہمت ہار گئے اور پسپا ہو کر راہ فرار اختیار کرنا شروع کر دی۔ اسلامی تاریخ کے اوراق میں ایک اور شاندار فتح کے الفاظ ثبت ہونے والے تھے۔

تیر اندازوں کی غلطی

جیسے ہی کفار میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے تو مسلمانوں نے مالِ غنیمت اکٹھا کرنا شروع کر دیا گویا یہ اشارہ تھا کہ ہم فتح یاب ہو گئے ہیں۔ گھاٹی پر تعینات تیر اندازوں نے جب یہ دیکھا کہ مسلم لشکر مالِ غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے ہیں تو وہ تیر انداز بھی پہاڑی سے نیچے اتر آئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان ''جب تک میں نہ کہوں نیچے نہ اترنا چاہے ہم ہار جائیں یا جیت کر مالِ غنیمت سمیٹنے لگیں'' کو پس پشت ڈال کر مال اکٹھا کرنے لگے۔ پہاڑی پر صرف حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ نو صحابہ رہ گئے جو ڈٹے رہے۔

اسلامی لشکر پر اچانک حملہ

خالد بن ولید نے جب مسلمانوں کو پہاڑی سے اترتے دیکھا تو اس سنہرے موقع کو ضائع نہ کیا اور اسلامی لشکر کی پشت پر جا پہنچے۔ پہاڑی پر موجود صحابہ کو شہید کرتے ہوئے میدان میں اتر آئے۔ مشرکین نے جب خالد بن ولید کو دیکھا تو وہ بھی مسلمانوں کے گرد اکٹھا ہونا شروع ہو گئے اب مسلم فوج ہر طرف سے گھر چکی تھی۔ مشرکینِ مکہ کی نظر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پڑی تو آپ ﷺ کے طرف لپکے۔ اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ نو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پھیل گیا، مسلمانوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور ایک جیتی ہوئی جنگ وقتی شکست میں تبدیل ہوگئی۔ آپ ﷺ نے جب مشرکین کے ہاتھوں مسلمانوں کو شہید کرتے دیکھا تو بلند آواز میں فرمایا ''لوگو! ادھر آؤ'' یعنی کفار کو اپنی جانب بلانا چاہا کیونکہ آپ ﷺ نے بطور مرشد اپنے صحابہ کی جان بچانے کی خاطر اپنی مبارک جان کو مشرکین کے حوالے کرنے سے بھی دریغ نہ کیا، حتیٰ کہ اہلِ مدینہ میں یہ بات بھی پھیل گئی کہ حضور اکرم ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔

(نعوذ باللہ)

درحقیقت حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شکل وصورت آنحضرت ﷺ سے بہت مشابہ تھی اس لیے کفار یکا یک پکارنے لگے کہ محمد ﷺ (نعوذ باللہ) قتل کر دیئے گئے ہیں۔ نبی پاک ﷺ کی شہادت کی خبر سنتے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوصلے پست ہو گئے اور بعض تو میدانِ جنگ سے ہی روانہ ہو گئے لیکن بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مزید جرأت و شجاعت سے لڑے کہ جس عظیم مقصد کے لیے نبی اکرم ﷺ شہید ہو گئے ہمیں بھی اس مقصد کے لیے اپنی جان قربان کر دینی چاہیے۔ حضور اکرم ﷺ کے جانثاروں کی جرأت و شجاعت کے باوجود اب شکست یقینی نظر آ رہی تھی کہ اتنے میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو دیکھا اور دیکھتے ہی پکار اٹھے ''مبارک ہو! یہ ہیں حضور''۔ یہ سننا تھا کہ منتشر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر طرف سے آپ ﷺ کی جانب دوڑے اور آپ ﷺ کے گرد حصار بنا لیا۔ مشرکینِ مکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک مرتبہ پھر متحد ہوتا دیکھ کر بھاگ نکلے۔

اس غزوہ کے آغاز میں مسلمان اپنی تعداد پر نازاں تھے۔ ان کا توکل اللہ کی ذات کے علاوہ اپنے سازوسامان اور تیاری پر تھا۔ اس لیے مسلمانوں کی اصلاح کے لیے اللہ پاک کی طرف سے یہ عارضی شکست ضروری تھی لیکن جب مسلمانوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوبارہ پکارنے پر اپنی ہمتوں کو جمع کیا اور واپس پلٹے تو اللہ تعالیٰ نے بھی مدد فرمائی اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

غزوۂ احد میں مسلمانوں کو شدید مشکلات اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا اس جنگ میں آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے علاوہ ستر (70) صحابہ شہید ہوئے۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ اور دیگر مشرکین نے شہدا کے ناک اور کان کاٹے اور لاشوں کی برحرمتی کی۔ اس کے علاوہ ہندہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا جس کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت دکھ ہوا۔

اقرأ لہنگا سنٹر

لہنگا — ساڑھی — فراک — میکسی

بوتیک ورائٹی — فینسی ورائٹی

پروپرائیٹرز: ایم فرخ شہزاد 0322-4801580
ایم حسن شاہد 0322-4382763

دکان نمبر B-144 مین بازار چونگی امر سدھو، لاہور

احمد عبدالشکور غریب لیکن عشق رسالت کا قلزم تھے

دعائے شام ہے دردِ سحر ہے

پیری مریدی ایک صحرا ہے اس میں ہر جنس کے خزانے مل جاتے ہیں۔ میری خطابت لاہور پہنچی تو داتا صاحب اکثر حاضر رہتا۔ سچی بات ہے میری تفسیر انہی کی روحانی تسخیر ہے۔ ایک پیارِ محبت سے میری وہاں ملاقات ہوئی۔ وہ شاعر، عالم، ادیب، مفسر کچھ نہ تھا وہ ایک اوسط درجے کی تعلیم گاہ میں مدرس تھا لیکن اس کا وجود خوبیوں اور زیبائیوں کا پیکر تھا۔ وہ ہمہ وقت درود شریف پڑھنے میں منہمک رہتا۔ اس نے میرے ساتھ عمرے زیارتیں بھی کیں وہ میرے نظریاتی تصلب کے لیے لڑتا جھگڑتا بھی رہتا۔ دینی کتب خرید کر تقسیم کرنا اس کا مشغلہ تھا۔ وہ محفل میں ادب سے بیٹھتا اس کی سانسیں آنکھوں میں اٹکی ہوتیں۔ وہ اپنے پیر کے الفاظ زبان پر ورد کرتا رہتا۔ آخری ایام میں تو وہ ''صدائے حیدر حیدر'' بلند کرنے والا طاہر سبک سار تھا۔ وہ ہمیشہ محفل ذکر میں رہنے کا متمنی رہتا۔ ماسٹر احمد عبدالشکور رمضان سے پہلے ہی اللہ سے واصل ہو گیا۔ اس سے ہجر نے تڑپا رکھا ہے لیکن مطمئن ہوں وہ وہاں پہنچ گیا جس کے لیے اس نے سب وظیفے ترک کر دیے تھے۔ پتہ نہیں اس کی روح مٹی کے کوزے میں کیسے بند ہو گئی وہ تو ایک آزاد انسان تھا اور کبھی کبھی نظریاتی سرکشی میں اپنوں سے بھی وہ الجھ پڑتا لیکن شاید اس کا مسلک ہی یہی تھا

میں بہت سرکش ہوں لیکن اک تمہارے واسطے

اللہ تعالیٰ ماسٹر احمد عبدالشکور کی مغفرت فرمائے اور میرے بڑوں کے قافلہ میں اسے پرچمِ حق کا گرفتہ اٹھائے۔ آمین

سید ریاض حسین شاہ

مولی، مولائیت اور مولائی

علامہ محمد ارشد

مولائی کسے کہتے ہیں؟

حجۃ الوداع سے واپسی پر رسول کریم ﷺ نے ''غدیر خم'' کے مقام پر حضرت علی المرتضی کرم اللہ تعالی وجھہ الکریم کا ہاتھ پکڑ کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کو مخاطب کر کے پوچھا ''کیا میں تمام مؤمنین کا مولیٰ نہیں ہوں؟'' سب نے کہا یارسول اللہ ﷺ آپ ہمارے مولیٰ ہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ

''جس کا میں مولیٰ ہوں علی اُس کا مولیٰ ہے''۔

(جامع ترمذی، تاریخ دمشق، مسند احمد)

رسول کریم ﷺ کا مبارک اعلان سُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کے پاس آئے اور کہا:

فَقَالَ لَهٗ هَنِيئًا يَا ابْنَ أَبِي طَالِبٍ، أَصْبَحْتَ وَأَمْسَيْتَ مَوْلَى كُلِّ مُؤْمِنٍ، وَمُؤْمِنَةٍ۔

''اے ابوطالب کے بیٹے! مبارک ہو، آپ صبح وشام ہر مؤمن مرد اور عورت کے مولیٰ بن گئے ہیں''۔ (مسند احمد)

عربی زبان میں ''مولا'' کے معنی آقا، سردار محبوب، رفیق اور دوست کے ہیں، جو شخص حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ قلبی محبت رکھتا ہے اسے ''مولا'' کی نسبت سے ''مولائی'' کہا جاتا ہے۔

قیام پاکستان میں مولائیوں کا کردار

پاکستان کے بانیان میں دو نام بہت نمایاں ہیں۔ پہلا نام علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرا نام قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اللہ کے فضل سے دونوں حضرات ''مولائی'' تھے۔ ہم سب بھی الحمدللہ مولائی ہیں۔

عظیم مولائی علامہ محمد اقبال

علامہ محمد اقبال علیہ الرحمۃ نے اپنے کلام میں بارہا اہل بیت اطہار اور مولائے کائنات علی علیہ السلام کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ ایک مقام پر اپنے مولائی ہونے کا برملا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

پوچھتے کیا ہو مذہب اقبال
یہ گنہگار ''بوترابی'' ہے

''اک مولوی صاحب کی سناتا ہوں کہانی'' اپنے اس کلام میں، اپنے بارے میں ہی لکھتے ہیں کہ

ہے اس کی طبیعت میں تشیّع بھی ذرا سا
تفضیل علی علیہ السلام ہم نے سنی اس کی زبانی

(کئی لوگ علامہ پر فتویٰ تولگانے سے رہے لیکن تسکین قلبی کے لئے دوسرے مصرعے میں ''تفضیل'' کے ''ض'' کا نقطہ غائب کر دیتے ہیں)

عظیم مولائی قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ محمد علی جناح

قیام پاکستان سے پہلے ایک پریس کانفرنس میں کسی صحافی نے حضرت قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ''آپ شیعہ ہیں یا سُنی؟'' تو، آپ نے کہا کہ ''مَیں شیعہ ہوں نہ سُنی، مَیں تو، ایک عام مسلمان ہوں لیکن، ہم سب مسلمان حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یوم ولادت اور یوم شہادت مل کر مناتے ہیں۔

(اثر چوہان صاحب کے کالم ''سیاست نامہ'' سے ماخوذ: نوائے وقت: 30 جولائی 2021)

اثر چوہان صاحب مزید لکھتے ہیں کہ ''مَیں نے 2013ء میں فرزندِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ۔ جسٹس (ر) ڈاکٹر جاوید اقبال (مرحوم) کی خودنوشت ''اپنا گریباں چاک'' پڑھی تھی، جس میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ ''مجھے میرے والدِ محترم (علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ) نے وصیت کی تھی کہ اہلِ سُنت کے مسلک پر قائم رہو لیکن اہل بیت رضی اللہ عنہم اور ائمہ اطہار رضی اللہ عنہم کا احترام بے حد ضروری ہے۔

مولائیت بزبان مولی علی کرم اللہ تعالی وجھہ الکریم

آج کل ایک رجحان یہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ امام المتقین والصالحین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام پر بدعملی کو فروغ دیا جارہا ہے۔ زبان سے عشق کا دعوی اور کردار بدترین مخالفانہ، نشہ کرنے والا، گالیاں بکنے والا اور میلا کچیلا رہنے والا اپنے آپ کو ''علی دا ملنگ'' (مولائی) کہلاتا ہے۔ آیئے مولی علی علیہ السلام کی زبان سے ہی سیکھتے ہیں کہ ''علی دا ملنگ'' (مولائی) کیسا ہوتا ہے؟

مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم ایک گروہ کے پاس سے گزرے اور وہ جلدی سے آپ کے پاس آکر کھڑے ہوگئے۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا، آپ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا امیر المؤمنین ہم آپ کے شیعہ ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا بہت اچھا، پھر فرمایا اے لوگو! کیا وجہ ہے کہ میں تم لوگوں میں اپنے شیعوں کی علامات اور اپنے محبّین کا حُلیہ نہیں دیکھتا تو وہ شرم سے چُپ ہورہے۔ آپ علیہ السلام کے ایک ساتھی نے آپ علیہ السلام سے کہا ہم آپ علیہ السلام کو اس ذات کا واسطہ دے کر دریافت کرتے ہیں جس نے آپ علیہ السلام کو اہل بیت میں سے بنا کر آپ علیہ السلام کو عزت دی ہے اور خاص کیا ہے اور آپ علیہ السلام سے محبت کی ہے۔ آپ علیہ السلام ہمیں اپنے شیعوں کی صفت کیوں نہیں بتائی۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ہمارے شیعوں کی صفات یہ ہیں کہ

''وہ عارف باللہ ہوتے ہیں۔ اوامرِ الٰہیہ پر عمل کرتے ہیں۔ صاحب فضیلت اور صاف گو ہوتے ہیں ان کی خوراک گزارے کے موافق اور لباس درمیانہ ہوتا ہے۔ اُن کی چال میں تواضع ہوتی ہے۔ وہ اطاعتِ الٰہی میں سرشار ہوتے ہیں اور اس کی عبادت میں خضوع اختیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالی کی حرام کردہ چیزوں سے چشم پوشی کرتے ہیں اور اُن کے کان اپنے

ربّ کے علم پر ہوتے ہیں۔تنگی اور آسائش میں اُن کی حالت ایک جیسی ہوتی ہے۔اللہ تعالی کی قضا سے راضی رہتے ہیں۔اگر اللہ تعالی نے اُن کے لیے موت مقدر نہ کی ہوتی تو لقائے الٰہی کے شوق، ثواب اور عذاب الیم کے خوف سے ان کی روحیں چشم زدن کے لیے بھی اُن کے جسموں میں نہ ٹھہرتیں۔اُن کے دل میں خالق کی عظمت ہوتی ہے اور خالق کے علاوہ کسی چیز کی ان کی نگاہوں میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ان کی اور جنّت کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے جنت کو دیکھا ہے اور وہ اس کے تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ اُن کی اور آگ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے دوزخ کو دیکھا ہے اور انہیں اس میں عذاب دیا جارہا ہے۔انہوں نے تھوڑے دنوں صبر کیا تو اللہ تعالی نے انہیں طویل راحت عطا کی۔دنیا نے ان کو چاہا مگر انہوں نے دنیا کو پسند نہ کیا۔دنیا نے ان سے طلب کیا تو انہوں نے اسے عاجز کردیا۔ وہ رات کو صف باندھ کر قرآن کریم کے اجزاء کو سنوار کر پڑھتے ہیں۔قرآن کریم کی امثال سے اپنے آپ کو نصیحت کرتے ہیں اور کبھی اس کی دوا سے اپنی بیماری کی شفا طلب کرتے ہیں اور کبھی اپنی جبینوں، ہتھیلیوں، گھٹنوں اور پاؤں کی اطراف کو بچھا دیتے ہیں۔ان کے آنسوان کے رخساروں پر رواں ہوتے ہیں۔وہ جبار عظیم کی تمجید کرتے ہیں اور اپنی گردنوں کو چھڑانے کے لیے اس کی پناہ لیتے ہیں۔یہ تو ان کی رات کی حالت ہے دن کو وہ حکماء اور متقی علماء ہوتے ہیں۔ان کو ان کے پیدا کرنے والے کے خوف نے چھیل کر رکھ دیا ہے۔وہ پیالے کی طرح ہیں تُو اُنہیں بیمار خیال کرے گا یا حواس باختہ، حالانکہ وہ ایسے نہیں ہوتے بلکہ عظمت الٰہی اور اُس کی حکومت کی سختی نے ان کو ایسے مدہوش کر رکھا ہے جس سے ان کے دل اُڑ گئے ہیں اور اُن کی عقلیں جاتی رہی ہیں اور جب وہ اُس سے ڈرتے ہیں تو پاکیزہ اعمال سے خدا تعالی کی طرف جلدی کرتے ہیں۔وہ اُس کے لیے تھوڑے عمل سے راضی نہیں ہوتے اور نہ زیادہ عمل کو زیادہ خیال کرتے ہیں۔وہ اپنے آپ کو تہمت لگاتے ہیں اور اپنے اعمال سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ان میں سے ہر کسی کو تو دیکھے گا کہ وہ دین میں قوی، نرمی میں محتاط، یقین میں مؤمن، علم کا حریص، فقہ میں فہیم، حلم میں علیم، ارادے میں عقلمند، مالداری میں میانہ روی، فاقے میں صبر، شفقت میں مستقل مزاج، عبادت میں خشوع کرنے والا، غریب کے لیے رحمت، حق کی ادائیگی کرنے والا، کمانے میں نرم رُو، حلال کا طلبگار، ہدایت میں کوشاں، خواہشات سے بچنے والا، جہالت اسے دھوکہ نہیں دیتی۔وہ اپنے عمل کا حساب کرنا نہیں چھوڑتا، عمل میں دھیما، اپنے اعمال صالحہ کے متعلق خائف، صبح کو اس کا کام ذکر الٰہی اور شب کو شکر الٰہی، وہ غفلت کی نیند سے ڈرتے ہوئے رات گزارتا ہے اور صبح کو فضل و رحمت کے حاصل کرنے سے خوش ہوتا ہے۔اسے باقی رہنے والی چیزوں سے رغبت ہوتی ہے اور فنا ہونے والی چیزوں سے بے رغبتی، وہ علم و عمل اور علم و حلم کو ملائے رکھتا ہے۔اس کی کوشش دائمی ہوتی ہے۔سُستی اس سے دور رہتی ہے، اس کی اُمید قریب ہوتی ہے۔اس کی لغزشیں تھوڑی ہوتی ہیں، اس کی موت متوقع ہوتی ہے، اس کا دل عاشق اور شاکر ہوتا ہے، وہ اپنے نفس پر قانع ہوتا ہے، اپنے دین کو بچانے والا ہوتا ہے، اپنے غصے کو پینے والا ہوتا ہے، اس کا پڑوسی اس سے امن میں ہوتا ہے اس کا معاملہ سہل ہوتا ہے، اس میں کبر (تکبر) معدوم ہوتا ہے۔اس کا صبر واضح ہوتا ہے۔اس کا ذکر کثیر ہوتا ہے، وہ کوئی کام ریا کاری سے نہیں کرتا اور نہ حیا سے اُسے چھوڑتا ہے"۔

یہ لوگ ہمارے شیعہ، ہمارے محبّ، ہم سے اور ہمارے ساتھ ہیں۔آگاہ رہو ان لوگوں سے ملاقات کا مجھے شوق ہے۔تو ہمام بن عباد بن خیثم جو آپ کے ساتھ تھا اور بڑا عابد تھا، نے چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔جب لوگوں نے اسے ہلایا تو وہ دنیا چھوڑ چکا تھا۔غسل کے بعد امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سمیت اس کی نماز جنازہ ادا کی۔

(الصواعق المحرقہ: صفحہ 374-372)

اس کے بعد ابن حجر شافعی مکی علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں کہ وہ شخص اس قوم کی محبت کا کیسے گمان کرتا ہے جس نے کبھی ان کے اخلاق میں سے کسی خلق کو نہیں اپنایا اور نہ ان کے کسی قول پر عمر بھر میں عمل کیا ہے اور نہ کبھی اُن کے کسی فعل کی پیروی کی ہے اور نہ ان کے افعال میں سے کسی چیز کے سمجھنے کی اہلیت پیدا کی ہے۔حقیقت میں یہ محبت نہیں بلکہ ائمہ شریعت و طریقت کے نزدیک بغض ہے جبکہ محبت کی حقیقت یہ ہے کہ محبوب کی اطاعت کی جائے اور نفس کی محبوبات اور مرغوبات کے مقابلہ میں اُس کی مرضی اور محبت کو ترجیح دی جائے۔اُس کے اخلاق و آداب سے ادب سیکھا جائے۔

اخذ حدیث کا علوی انداز

اسماء بن حکم فزاری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا: میں ایسا آدمی تھا کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تو جس قدر اللہ کو منظور ہوتا اتنی وہ میرے لیے نفع بخش ہوتی اور جب میں کسی صحابی سے کوئی حدیث سنتا تو میں اُسے قسم دلاتا، جب وہ قسم کھا لیتا تو میں اس کی بات مان لیتا، مجھ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سچ کہا، انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جو گناہ کرے پھر اچھی طرح وضو کر کے دو رکعتیں ادا کرے، پھر استغفار کرے تو اللہ اس کے گناہ معاف نہ کردے، پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی:

"والذین اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انفسهم ذکروا الله فاستغفروا لذنوبهم ومن یغفر الذنوب الا الله ولم یصروا علی مافعلوا وهم یعلمون"

(سنن ابوداؤد: 1521)

اس روایت میں ہمارے لئے سبق ہے، روایت لینے والے مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم، روایت سنانے والے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل البشر بعد الانبیاء اور جو بات بیان کی جارہی ہے وہ اللہ کا غفور ہونا ہے جس میں کوئی شک ہی نہیں۔یہاں پر سوال یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قسم کیوں دلائی؟ کیا ان کو اللہ کے غفور ہونے پر شک تھا، ایسا سوچنا بھی کفر ہے، کیا ان کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صداقت پر شک تھا ایسا بھی نہیں تھا کیوں کہ ان کی صداقت تو منصوص تھی، پھر قسم دلانے کا مقصد کیا ہوسکتا ہے؟ ایک بات تو یہ سمجھ میں آتی ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باب مدینۃ العلم جیسے عظیم منصب پر فائز کیا تھا تو اس منصب کا تقاضا یہ تھا کہ اخذ حدیث میں احتیاط کی جائے اور دوسرا یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ مولائے کائنات اپنی نگاہ فراست اور نگاہ ولایت سے اپنے بعد والا زمانہ دیکھ

رہے تھے تو انہوں نے درِ علم کی گداگری کرنے والوں کو یہ بات سمجھائی کہ اخذ حدیث میں محتاط رویہ اختیار کرنا ہی ہمارا طریقہ ہے۔ بعد والے دور کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

علامہ اسمٰعیل حقی، سورۂ توبہ کی آخری آیت کی تفسیر میں امام حاکم کے حوالہ سے ایک زاہد کا حال لکھتے ہیں کہ وہ قرآن کے فضائل میں حدیث گھڑنے کو مستحب سمجھتا تھا، اسے کہا گیا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے دیکھا کہ لوگ قرآن سے دور ہو گئے ہیں تو میں نے چاہا کہ لوگوں کو قرآن کی رغبت دلاؤں۔ اس زاہد کو کہا گیا کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا ہے **من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار** یعنی جو بندہ جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے'' تو اس زاہد کا جواب تھا کہ میں نے نبی کریم ﷺ پر جھوٹ نہیں باندھا بلکہ ان کے لیے جھوٹ باندھا ہے۔

(تفسیر روح البیان)

اس صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے یہاں پر قابل غور بات یہ ہے کہ کیا بیانِ روایت میں یہ کہنا کافی ہے کہ یہ روایت اہلسنت کی کتابوں میں موجود ہے؟ کیا اس روایت کو آنکھیں بند کر کے بیان کر دینا چاہیے؟ علمی رویے کی اگر بات کی جائے تو صرف یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ یہ روایت اہلسنت کے امام نے بیان کی ہے لہذا آنکھیں بند کر کے اس کو بیان کر دیا جائے۔ اپنی اس بات کو مضبوط کرنے کے لیے ایک چھوٹی سے مثال بھی پیش خدمت ہے، حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے ''خصائص الکبری'' میں معراج کے باب میں ایک روایت نقل فرمائی:

'' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب مجھے آسمانوں پر لے گئے تو میں جنت میں گیا اور درختوں میں سے ایک کے پاس کھڑا ہوا، میں نے جنت میں اس سے زیادہ خوبصورت، سفید، نرم اور خوشبودار پھل کوئی نہ دیکھا پس میں نے اس درخت کا ایک پھل توڑ کر کھایا تو وہ میرے صلب میں نطفہ بن گیا۔ اس کے بعد میں زمین پر آیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے قربت کی تو فاطمہ سلام اللہ علیہا کے لیے استقرار حمل ہوا، اب بھی جب مجھے جنت کی خوشبو سونگھنے کی خواہش ہوتی ہے تو میں فاطمہ سلام اللہ علیہا کی خوشبو سونگھتا ہوں''۔

(خصائص الکبری بحوالہ طبرانی)

اس روایت کی صحت پر گفتگو کرتے ہوئے ایک جذباتی رویہ ہے وہ یہ کہ اس روایت کی صحت پر سوال اٹھانے والے کو فوراً ناصبی قرار دے کر جان چھڑا لی جائے اور مزید برآں یہ بھی کہہ دیا جائے کہ تمہیں معلوم ہے کہ امام جلال الدین سیوطی کتنے بڑے آدمی ہیں، وہ اتنے بڑے ہیں کہ انہوں نے جاگتی آنکھوں سے نبی کریم ﷺ کی 72 مرتبہ زیارت کی ہے تو اتنا بڑا آدمی کمزور روایت کیسے بیان کر سکتا ہے۔ ایسا جذباتی رویہ دیکھ کر ہمارے مخاطب کے پاس خاموشی کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہ جاتا لیکن یہاں پر سوال سننے کے بعد غور و فکر کرتے ہوئے علمی رویہ اختیار کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح سمجھ آ جاتی ہے کہ آنکھیں بند کر کے اس روایت کو بیان کر دینا درست نہیں ہے۔ وہ اس لیے کہ سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کی مبارک عمر صحیح قول کے مطابق 24 سال تھی اور مبارک عمر کے حوالہ سے سب سے کم قول 16 سال کا بھی کیا گیا ہے اور اگر مبارک عمر 16 برس بھی مان لی جائے تب بھی یقینی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ واقعہ معراج سے بہت پہلے اس دنیا میں تشریف فرما ہو چکی تھیں کیونکہ واقعہ معراج ہجرت سے تین سال قبل ہوا۔

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

جس طرح اللہ تعالی کے غفور ہونے میں شک کرنا کفر ہے اسی طرح ان قدسی لوگوں کے جنتی ہونے میں شک کرنے والا بھی مسلمان نہیں رہتا۔ جس دور میں لوگ اہل بیت کی شان میں آنے والی متواتر احادیث پر بھی سوال اٹھا رہے ہوں اس دور میں ہمیں مولائے کائنات حضرت رضی اللہ عنہ کا سکھایا ہوا سبق سامنے رکھنا ہوگا۔ فقط یہ کہہ دینا کہ امام جلال الدین سیوطی علیہ لرحمہ نے 72 مرتبہ جاگتی آنکھوں سے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی، کافی نہیں ہوگا، اخذ حدیث میں یہ بات کافی ہوتی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے قسم نہ اٹھوائی جاتی انہوں نے تو ہزاروں مرتبہ جاگتی آنکھوں سے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی ہوئی تھی۔

ذکر علی اور اعتدال کا معنیٰ و مفہوم

علامہ زبیدی حنفی تاج العروس میں لکھتے ہیں کہ عدل ''جور'' کی ضد ہے اور لفظ ''جور'' ظلم کا مترادف ہے۔ علامہ زبیدی، راغب کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اکثر اہل لغت کے نزدیک ظلم کا معنی ہے ''**وضع الشئی فی غیر محلہ**'' یعنی کسی چیز کو اس کی جگہ کے علاوہ کہیں اور رکھنا۔ ''**تعرف الاشیاء باضدادھا**'' (چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں) کے قانون کے مطابق پھر عدل کا معنی ہوگا ''**وضع الشئی فی محلہ**'' یعنی کسی چیز کو اس کی جگہ پر رکھنا۔

اردو زبان میں عدل اور انصاف ایک معنی میں استعمال کیے جاتے ہیں جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ انصاف نصف سے ہے یعنی کسی چیز کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا۔ جبکہ عدل کا معنیٰ ہے کہ جس کا جتنا حق بنتا ہے اس کو اتنا دے دیا جائے۔ اعتدال کا لفظ عدل سے بنا ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اہلسنت اعتدال کی راہ چلنے والوں کو کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اہلسنت جس کا جو مقام و مرتبہ ہوتا ہے اس کو وہی مقام و مرتبہ دیتے ہیں اس کے مقام و مرتبہ کو نہ گھٹاتے ہیں اور نہ زیادہ کرتے ہیں۔

آمدم برسر مطلب، آج کل جو بندہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر زیادہ کرتا ہے اسے کہا جاتا ہے کہ ان کا ذکر اعتدال کے ساتھ کرو یعنی ان کے ساتھ باقی خلفائے راشدین کا ذکر بھی کرو۔ باقی خلفائے راشدین اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برابر ذکر کرنے کو اعتدال کہا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا باقی خلفائے راشدین کا ذکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر برابر برابر کرنا اعتدال اور عدل کہلاتا ہے؟؟؟ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ عدل اور اعتدال نہیں ہے۔

منصور طوسی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے جتنے فضائل حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہما کے آئے ہیں اتنے فضائل کسی اور کے نہیں آئے۔

(المستدرک للحاکم:4572)

اعتدال اور فہم حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس ہستی کا ذکر زیادہ کریں جس کا ذکر نبی کریم ﷺ نے زیادہ کیا۔ اگر زیادہ کے لفظ سے کسی کو الجھن ہو رہی ہو تو ہم یوں کہہ دیتے ہیں جس کا جتنا ذکر نبی کریم ﷺ نے کیا ہمیں بھی اس ہستی کا ذکر اتنا ہی کرنا چاہیے اس بات پر کچھ لوگ ہم پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آپ حنفی ہیں تو پھر امام احمد بن حنبل کے قول

سے استدلال کیوں کر رہے ہیں۔علمی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو اس مقام پر یہ اعتراض بنتا ہی نہیں ہے لیکن معترضین کی تسلی کے لیے مزید ایک حوالہ پیش خدمت ہے:

امام احمد رضا خان فاضل بریلی لکھتے ہیں:

''خدارا ذرا آنکھ کھول کر کتب حدیث دیکھیں ،جس قدر خصائص وافرہ حضرت مولی کے مالک نے انہیں عطا فرمائے دوسرے کو تو ملے بھی نہیں، پھر صریح آفتاب کا انکار کیونکر بن پڑے گا''۔

(مطلع القمرین: صفحہ نمبر 68،69)

اسد الغابہ میں امام زہری کے حوالہ سے لکھا ہوا ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں یہ حدیث بیان کی: ''من کنت ولیہ فھذا ولیہ''۔ عبید اللہ کہتے ہیں کہ میں نے زہری سے کہا ملک شام میں یہ حدیث بیان نہ کرنا کیونکہ آپ اپنے کانوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں پڑتے بھی سنتے ہیں۔تو امام زہری نے کہا کہ: واللہ ان عندی من فضائل علی مالو تحدثت بھا لقتلت ''اللہ کی قسم، میرے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اتنے فضائل محفوظ ہیں کہ اگر میں وہ سنا دوں تو مجھے قتل کر دیا جائے۔

(اسد الغابہ: جلد 1)

پہلے زمانے کے لوگ ذکر علی اس لیے نہیں کرتے تھے کہ گردن کاٹ دی جاتی تھی اور آج کے زمانے میں لوگ ذکر علی اس لیے نہیں کرتے کہ لوگ ہمیں شیعہ یا رافضی نہ کہیں۔ جو لوگ اپنے آپ کو اہلسنت کہلاتے ہیں ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اہلسنت کا راستہ، اعتدال کا راستہ ہے اور اعتدال کا معنیٰ آپ نے جان لیا کہ جس کا جو حق ہے اس کو وہ حق دیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق یہ ہے کہ ان کا ذکر زیادہ کیا جائے۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر زیادہ کرنا باقی صحابہ کی توہین اور تنقیص ہے تو یہ اعتراض سیدھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جاتا ہے اس لیے احتیاط کے ساتھ اعتدال کی راہ چلیں۔ جو بندہ مولائے کائنات کا ذکر زیادہ نہ کرے وہ اہلسنت ہو ہی نہیں سکتا۔

ہمارے شیخ کا سبق ہے کہ ناصبیت، خارجیت اور رافضیت سب ظلمتیں ہیں۔ ہم اہلسنت ہیں۔ الحمد للہ ہم سے نہ رافضی خوش ہیں اور نہ ہی ناصبی خوش ہیں۔

بقیہ: ریاست مدینہ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ عورت سے شادی چار اشیاء کی وجہ سے کی جاتی ہے، اس کے مال، حسب نسب، حسن، اور دین کی وجہ سے، تمہیں دین دار عورت سے شادی کرنی چاہیے۔ (بخاری:4802اور مسلم:1466)

اس سے مراد ہے کہ لوگ شادی کیلئے عموماً ان چار مقاصد کو ہی سامنے رکھتے ہیں، کچھ تو حُسن تلاش کرتے ہیں اور کچھ اچھا خاندان اور کچھ مال کے بھوکے ہوتے ہیں اور کچھ لوگ دینداری کی وجہ سے شادی کرتے ہیں، اسی آخری کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترغیب دلائی ہے۔آپ نے نکاح یعنی شادی کو آسان بنانے پر بھی زور دیا تاکہ بے حیائی اور فحاشی معاشرے کی تباہی کا باعث نہ بننے پائے۔

شادی ایک خاندان کا آغاز ہے۔شوہر اور بیوی کے حقوق وفرائض کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے تاکہ خاندان کے دونوں افراد خود بھی پرسکون اور خوشگوار زندگی بسر کریں اور آنے والی نسل کے لیے بھی اپنا کلیدی کردار ادا کر سکیں۔

آج ہر طرف انسانی حقوق کے موضوع پر ہر شخص کی توجہ مرکوز ہے۔ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ انسانی حقوق کے جس تصور تک آج کی این جی اوز پہنچی ہے اس سے کہیں زیادہ جامع اور واضح تصور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال قبل پیش کر دیا تھا۔ خطبہ حجۃ الوداع میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی تاکید کے ساتھ حقوق انسانی کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ خطبۂ حجۃ الوداع کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محض مسلمانوں کو نہیں بلکہ پوری انسانیت کو مخاطب کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں ''مسلم'' کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی بار ''أیھا الناس'' ''اے لوگو!'' کی اصطلاح استعمال فرمائی ۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عطا کردہ انسانی حقوق کا عظیم تصور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا اس احاطہ کرتا ہے:

(1) انفرادی حقوق

فرد معاشرے کی اکائی ہے۔ جب تک کسی بھی معاشرے میں فرد کی حیثیت کا تعین اور اس کے حقوق کا تحفظ نہیں کیا جائے گا اس معاشرے میں ''من حیث المجموع'' حقوق کے تحفظ کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔

اسلام نے نہ صرف فرد کو باوقار مقام عطا کیا، بلکہ اسے وہ تمام حقوق بھی عطا کیے جو اس کے ارتقا و بہبود کے لیے ضروری ہیں۔

(2) سماجی حقوق

اسلام نے معاشرے کے مختلف افراد کو معاشرتی و سماجی حقوق و فرائض کی تعلیم دے کر وہ تمام مثبت بنیادیں فراہم کر دی ہیں جو ایک متوازن ،معتدل اور انسانی حقوق کا احترام کرنے والے معاشرے کے قیام کے لیے ضروری ہیں۔

(3) سیاسی حقوق

ایک مثالی سیاسی نظام کا قیام سیاسی حقوق و فرائض کے واضح تعین کے بغیر ممکن نہیں، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی ریاست کے تمام شہریوں کے حقوق کا واضح تعین فرمایا اور اس کی عملی توضیح و تشریح ہجرت کے بعد پہلی اسلامی ریاست قائم کر کے فرما دی۔

(4) اقتصادی (معاشی) حقوق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عطا کردہ اقتصادی اور معاشی حقوق معاشرے میں مساویانہ معاشی نظام کے قیام کی ضمانت عطا کرتے ہیں۔ ان حقوق کی بنیاد قرآن کا دیا ہوا وہ انقلابی معاشی نقطۂ نظر ہے جو اسلام کی معاشی تعلیمات کو دنیا کے تمام دیگر معاشی نظاموں سے منفرد کرتا ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانیت کی عظمت ، احترام اور حقوق پر مبنی ابدی تعلیمات اور اصول بیان کیے مگر سیرت نبوی میں حقوق انسانی سے متعلق یہ واحد دستاویز نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی انسانیت نوازی اور تکریم انسانیت کی تعلیمات سے عبارت ہے۔

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عطا کردہ حقوق اللہ و حقوق العباد کے فلسفہ و حکمت سے یہ امر واضح ہے کہ یہی نظام، عدل، وانصاف کا حامل ہے جو معاشرے کو امن و آشتی کا گہوارہ بناتے ہوئے ایک فلاحی مملکت کی حقیقی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نظام حقوق و فرائض، انسانی حقوق کا ایک بے مثال عالمی چارٹر ہے اور جسے انسانی حقوق کی پہلی دستاویز یا منشور ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ (باقی آئندہ)

عید الفطر

آصف بلال آصف

مسلمان رمضان المبارک کے مہینے کے بعد ایک مذہبی خوشی کا تہوار مناتے ہیں جسے عید الفطر کہا جاتا ہے۔۔۔۔۔

عید الفطر کا لفظ ''عود'' سے بنا ہے جس کا معانی ہے ''لوٹنا'' عید ہر سال لوٹتی ہے اور اس کے لوٹ کے آنے کی خواہش ہوتی ہے۔

فطر کا معنیٰ ہے روزہ توڑنا یا ختم کرنا۔ عید الفطر کے روز روزوں کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ اس روز اللہ تعالیٰ بندوں کو روزہ اور عبادتِ رمضان کا ثواب عطا فرماتے ہیں لہٰذا اس دن کو عید الفطر قرار دیا گیا ہے۔

یہ یکم شوال المکرم کو منایا جاتا ہے۔ عید الفطر کو ہم اپنی زبان میں چھوٹی عید اور میٹھی عید بھی کہتے ہیں۔۔۔۔۔

یہ عالم اسلام کا وہ مذہبی تہوار ہے جو کہ ماہ رمضان المبارک کے اختتام کی نشاندہی کرتا ہے۔۔۔۔۔

ہر سال بڑی دھوم دھام سے یکم شوال المکرم کو منایا جاتا ہے۔۔۔۔۔

عید عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنیٰ خوشی، جشن، فرحت اور چہل پہل کے ہیں۔۔۔۔۔ جبکہ فطر کے معنیٰ روزہ ختم کرنے یعنی روزہ کھولنے کے ہیں۔۔۔۔۔ چونکہ یکم شوال کو روزوں کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور اس روز اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو روزہ اور عبادتِ رمضان کا ثواب عطا فرماتا ہے۔۔۔۔۔ یعنی انعامات سے نوازتا ہے۔۔۔۔۔ اس لیے اس دن کو عید الفطر قرار دیا گیا ہے۔۔۔۔

عالم اسلام ہر سال دو عیدیں مناتے ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔۔۔۔۔ عید الفطر کا یہ تہوار پورے ایک دن پر محیط ہے اس لیے اسے چھوٹی عید کے نام سے جانا جاتا ہے جبکہ اس کی یہ نسبت عید الاضحیٰ کی وجہ سے ہے کیونکہ عید الاضحیٰ تین روز پر مشتمل ہے۔۔۔۔۔ اس لیے اسے بڑی عید بھی کہا جاتا ہے۔۔۔۔۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ماہ رمضان کے تمام روزے رکھنا فرض کیا ہے جبکہ اسی ماہ میں قرآن پاک کے اُتارے جانے کا بھی تذکرہ ہے۔۔۔۔۔ لہٰذا اس مبارک مہینے میں قرآن پاک کی تلاوت کا اجر و ثواب بھی کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ اور ان ساری عبادات اور روزے رکھنے کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ یکم شوال المکرم کے دن مسلمانوں کے دامنِ دل میں ڈال دیتا ہے۔۔۔۔

قرآن کریم میں سورۃ البقرۃ آیت نمبر 185 میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''وہ مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے، گناہوں کو ختم کر دینے والا ہے۔ اہلِ محبت کے لیے منزل رسا ہے اور ہدایت کی روشن دلیلیں جگمگا رہی ہیں، یہ فرقان بھی ہے اور جو پائے تم میں سے اس عظیم مہینے کو تو اس کے روزے رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اتنے ہی روزے دوسرے دنوں میں سے رکھ لے، اللہ تمہارے لیے سہولت چاہتا ہے اور وہ یہ ارادہ نہیں رکھتا کہ تمہیں دشواری میں ڈال دے اور یہ بھی کہ تم روزوں کی گنتی پوری کرلو اور تم اللہ کی کبریائی عملاً مانتے رہو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور تمہارے شکر گزار ہونے کا یقینی طریقہ یہی ہے''۔

عید کا تہوار اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انعام ہوتا ہے کیونکہ رمضان المبارک کا مہینہ عبادت اور ریاضت کا مہینہ ہے۔

اس ماہِ مقدس میں مسلمان اپنا زیادہ وقت عبادت و ریاضت میں گزارتے ہیں۔۔۔۔۔

شیطان (ابلیس) کو قید کر دیا جاتا ہے۔۔۔۔۔ اس طرح وہ لوگوں کو غلط راہ کے لیے نہیں بہکا پاتا۔۔۔۔۔

تمام نمازوں میں مسجدیں بھری ہوئی نظر آتی ہیں۔۔۔۔۔ مسلمانوں کا ایک بڑا دشمن ''شیطان'' ہے جسے اللہ تعالیٰ اس ماہِ مقدس میں قید کر دیتا ہے۔ اس لیے مسلمان والہانہ انداز سے پورا مہینہ عبادات، تسبیحات اور ذکر و اذکار میں مشغول و مصروف رہتے ہیں۔۔۔۔۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔۔۔۔۔ اجر کا وہ دن یکم شوال ہے۔۔۔۔۔ اس لیے ہر شخص بڑی بے تابی سے اس کا انتظار کرتا ہے۔۔۔۔۔ عید کا چاند سب کے لیے خوشی لے کر آتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس نے پانچ راتوں 10,9,8 ذوالحج کی راتیں، عید الفطر کی رات اور 15 شعبان کی رات کو شب بیداری کی اس کے لیے جنت واجب ہوگئی''۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب مسلمانوں کی عید یعنی عید الفطر کا دن آتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں پر فخر فرماتا ہے اور کہتا ہے:

اے میرے فرشتو اس مزدور کی کیا جزا ہے جو اپنا کام مکمل کر دے

فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اس کی جزا یہ ہے کہ اسے پورا اجر و ثواب عطا کیا جائے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اے فرشتو! میرے بندوں اور باندیوں نے اپنا فرض ادا کیا۔ پھر وہ (نمازِ عید کی

صورت) دعا کے لیے تکبیرات پڑھتے ہوئے نکل آئے مجھے میرے عزت وجلال، میرے کریم اور بلند مرتبہ ہونے کی قسم میں ان کی دعاؤں کو ضرور قبول کروں گا پھر فرماتا ہے کہ اے بندو تم اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا اور تمہارے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیا''۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پھر وہ بندے (عید کی نماز سے) لوٹتے ہیں حالانکہ ان کے گناہ معاف ہو چکے ہوتے ہیں۔

عیدالفطر کے دن صبح صادق کے وقت ہر مسلمان پر فطرانہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطرانہ واجب کیا تا کہ روزہ لغو اور بے ہودہ باتوں سے پاک ہو جائے اور مساکین کے لیے کھانے کا بندوبست بھی ہو جائے۔

نمازِ عید دو رکعتیں واجب ہیں۔ پہلی رکعت میں ثناء کے بعد اور دوسری رکعت میں قرآتِ سورت کے بعد ہاتھ اُٹھا کر تین تین زائد تکبیریں مسنون ہیں۔

عیدالفطر کے روز روزہ رکھنا حرام ہے۔

عیدالفطر کے بعد مسلسل یا وقفے کے ساتھ شوال کے چھ روزے رکھنا پوری زندگی روزے رکھنے کے برابر ہے۔

ایک ماہ کے روزے رکھ کر عید منانے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ شریعت کی مقررہ حدود کو توڑا جائے۔

عورتوں کا بے پردہ اور نیم عریاں لباس میں گھروں سے نکلنا ہمیشہ ممنوع ہے۔

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

'' اے غیب کی خبر رکھنے والے! اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں کو فرما دو کہ وہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے چہرے پر ڈالے رہیں''۔

(سورۃ الاحزاب: 59)

حدیثِ پاک میں ہے جو عورت اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور کو اپنا حسن دکھائے اس کے لیے سنگار کرے اس کے چہرے کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سیاہ کر دے گا اور اس کی قبر کو جہنم کا گڑھا بنا دے گا لیکن عیدالفطر جو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں، مغفرتوں اور روزہ و عبادتِ رمضان کا انعام حاصل کرنے کا دن ہے۔ اس روز اللہ تعالیٰ کی شریعت کی کھلی خلاف ورزی کرنا اور کفار کے طریقے کے مطابق بے راہروی اختیار کرنا، گندی فلمیں اور ڈرامے دیکھنا اور لڑکیوں کا نیم عریاں لباس میں گلی کوچوں میں گھومنا بہت ہی بڑا گناہ ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ اس روز اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ صدقہ خیرات کریں۔ ناراض مسلمانوں میں مصالحت کرائیں۔ خود بھی اپنے بھائیوں، بہنوں اور رشتہ داروں سے صلح رکھیں اور اچھے کاموں میں مشغول رہیں۔

عیدالفطر کو یوم الرحمۃ بھی کہتے ہیں۔۔۔۔۔ کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحمت فرماتا ہے۔

۔۔۔۔۔ اسی روز اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کو شہد بنانے کا الہام کیا تھا۔

۔۔۔۔۔ اسی دن اللہ تعالیٰ نے جنت پیدا فرمائی تھی۔

۔۔۔۔۔ اسی روز اللہ تعالیٰ نے درخت طوبیٰ پیدا فرمایا۔

۔۔۔۔۔ اسی دن حضرت جبرائیل کو وحی کے لیے منتخب فرمایا۔

۔۔۔۔۔ اسی دن فرعون کے جادوگروں نے توبہ کی تھی۔

عیدالفطر کی سنتیں اور احکام

نمازِ عید سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا (مسلم)

غسل کرنا (بیہقی)

اچھا لباس پہننا (بیہقی)

خوشبو لگانا (حاکم)

نمازِ عیدالفطر سے پہلے طاق کھجوریں کھانا (بخاری)

نمازِ عیدالفطر کے لیے عیدگاہ جانا (بخاری)

عیدگاہ پیدل جانا (ترمذی)

اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ عیدگاہ جانا (ابنِ حذیم)

ایک راستے سے جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا (ترمذی)

گھر سے عیدگاہ تک جاتے تکبیرات کہنا (بیہقی)

عیدالفطر رمضان المبارک کے بعد آتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ان فرائض و عبادات کی ادائیگی کے بعد ہم اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کریں اور اس کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمیں اس ادائیگی کی توفیق و رہنمائی عنایت فرمائی۔۔۔۔۔

عیدالفطر کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کی توفیق و عنایت پر اس کا شکر ادا کرنے کا ایک اظہار یہ بھی ہے کہ مسلمان عید کی اس خوشی سے تنہا محظوظ نہ ہوں بلکہ فقیروں اور مسکینوں کو اس میں شریک کرنے کی کوشش کریں۔۔۔۔۔

رمضان کی زکوٰۃ ''فطرانہ'' اسی لیے فرض کیا گیا ہے۔۔۔۔۔ ہر مسلمان صدقہ فطر اپنے اور اپنے اہل و عیال کی طرف سے ادا کرتا ہے یہ ایک معمولی سی مقدار ہے جو ہر اس شخص پر واجب ہے جو عید کے دن اور رات کے کھانے کے علاوہ کچھ اور اپنے پاس رکھتا ہو۔۔۔۔۔

جمہور کے نزدیک اس شخص کی ملکیت کا نصاب کو پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔۔۔۔۔

دراصل اسلام مسلمان کو خوشی غمی کے ہر موقع پر انفاق کا عادی بنانا چاہتا ہے۔۔۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس صدقہ فطر کی ادائیگی کرتا ہے۔۔۔۔۔ خواہ وہ فقیر ہی کیوں نہ ہو۔۔۔۔۔ اگر وہ فقیر ہے تو ایک طرف سے وہ خود صدقہ ادا کرتا ہے اور دوسری طرف سے اسے دوسروں سے موصول ہو رہا ہوتا ہے۔۔۔۔

ہمارے نبی مکرم حضرت محمد ﷺ کا ارشادِ ذیشان ہے کہ عید کے روز فقراء و مساکین کو مانگنے سے بے نیاز کر دو۔

اس دن کا پہلا عمل اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنا اور دوسرا عمل اس کے سامنے سجدہ ریز ہونا ہے۔۔۔۔

اللہ تعالیٰ کی کبریائی ''تکبیر'' ہم مسلمانوں کی عیدوں کی شان ہے۔۔۔۔۔

بقیہ: صفحہ نمبر 32 پر

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

جس نے پانچ راتوں 10,9,8 ذوالحج کی راتیں، عیدالفطر کی رات اور 15 شعبان کی رات کو شب بیداری کی اس کے لیے جنت واجب ہوگئی

غزالی زماں، امام اہل سنت

حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

صاحب زادہ ذیشان کلیم معصومی

غزالی زماں امام اہل سنت عاشق رسول کریم ﷺ حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات علمی روحانی کمالات میں اپنا ثانی نہیں رکھتی آپ کی عظیم ہستی مینارۂ نور ہے۔ دور حاضر میں بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جنہوں نے دور طفولیت سے زندگی کے آخری ایام تک نہایت صاف ستھری اور کھری زندگی گزاری۔ ان کا ظاہر و باطن ایک سا تھا ان کے آئینہ کردار میں عکس گفتار صاف و شفاف اور عیاں تھا۔ آج کے پُر اشوب دور میں حضرت غزالی زماں ایک ایسی پاکیزہ شخصیت کے مالک تھے کہ جسے دیکھ کر سلف وصالحین کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

حضور غزالی زماں کی ولادت 1332ھ، 1913ء کو امروہ کے ایک ایسے علمی گھرانے میں ہوئی جس میں علم وروحانیت کا خوب چرچا تھا۔ آپ کے والد ماجد علامہ سید محمد مختار کاظمی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے نامور علماء میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے چنانچہ اسی نسبت سے آپ کاظمی کہلاتے ہیں ابھی آپ چند برس کے تھے کہ آپ کے والد گرامی دنیا فانی سے پردہ فرما گئے۔ والد محترم کے وصال کے بعد آپ کے برادر اکبر حضرت علامہ سید محمد خلیل کاظمی محدث امروہی نے آپ کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری نبھائی۔ اس وقت کے جید علماء میں آپ نہایت ممتاز مقام کے حامل تھے ان کو شعر وادب سے گہرا لگاؤ تھا اور آپ کا خاکی تخلص تھا۔ آج تک انڈیا کے علمی حلقوں میں آپ کا نام جلالت علمی اور زہد وتقویٰ کے حوالے سے زندہ ہے۔ حضرت خاکی محدث امروہی، غزالیٔ دوراں کے برادر اکبر ہونے کے ساتھ مشفق استاد اور سب سے بڑھ کر شیخ کامل بھی تھے اور ان دنوں شاہ جہانپور کے مدرسہ جامعہ بحر العلوم میں درس وتدریس فرما رہے تھے جس وجہ سے حضرت غزالی زماں کو حصول تعلیم میں کوئی دشواری درپیش نہ ہوئی اور صرف سولہ برس کی قلیل مدت وعمر میں علوم و فنون سے فراغت حاصل کر کے سند حاصل کی۔ حضرت سید شاہ حسین اشرفی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک پُروقار تقریب میں صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ نثار احمد کانپوری رحمۃ اللہ علیہ جیسی جید علمی شخصیات کی موجودگی میں دستار بندی فرمائی۔ تعلیم سے فارغ ہو کر حضرت غزالی زماں 1929ء میں لاہور تشریف لائے۔ یہاں حضرت علامہ سید دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ سید احمد ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ جیسی عظیم اکابر ہستیوں کی صحبت آپ کو میسر آئی۔ ایک دن آپ لاہور کی تاریخی وقدیم درسگاہ جامعہ نعمانیہ دیکھنے گئے وہاں علامہ حافظ محمد جمال مسلم الثبوت کا درس دے رہے تھے آپ درس میں بیٹھ گئے۔ جب آخر میں طلبہ سے سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ نے بھی اس میں حصہ لیا آپ کی دینی قابلیت اور ذہانت نے حافظ محمد جمال صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس قدر متاثر کیا کہ بعد میں انہوں نے تفصیلی گفتگو کر کے آپ کو جامعہ نعمانیہ میں مدرس کے عہدے کی پیشکش کی جسے حضرت غزالی زماں نے بخوشی قبول فرما لیا۔ آپ کا مسند تدریس پر رونق افروز ہونے اور علمی جاہ وجلال کا جلد ہی دور دور تک چرچا ہونے لگا اور عاشقان علم گروہ در گروہ یہاں آنے لگے پھر وطن کی یاد نے آپ کو ستایا تو آپ آبائی علاقہ امروہہ چلے گئے اور وہیں مدرسہ محمدیہ حنفیہ میں درس وتدریس شروع فرما دی۔ تقریبا 4 سال بعد آپ اوکاڑہ کے حکیم جان عالم کے بے حد اصرار پر اوکاڑہ تشریف لے آئے۔ یہاں ایک سال درس وتدریس اور اشاعت اسلام میں مشغول رہے۔ ایک روز حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے عرس پاک کے تقریبات میں شرکت کے لیے آپ ملتان حاضر ہوئے۔ یہاں آپ نے جو سحر انگیز خطاب فرمایا تو حاضرین کے دل نور معرفت سے جگمگانے لگے پھر خطاب سے متاثر ہو کر ملتان کے اکابر علماء ومشائخ نے آپ کو ملتان میں سکونت اختیار کرنے کی دعوت دی اور پھر آپ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ملتان کو اپنا مسکن بنا لیا اور یوں مدینۃ اولیاء میں ایک اور ولی اللہ کا اضافہ ہو گیا۔

حضرت غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ کو درس وتدریس کی عادت تھی چنانچہ آپ نے یہاں بھی یہ سلسلہ جاری رکھا اور اپنے گھر پر ہی درس وتدریس شروع کر دی۔ دور دراز سے لوگ حصول علم کی خاطر آنے لگے تو جگہ تنگ ہونے لگی پھر 1935ء میں ملتان میں آپ نے ایک عظیم الشان درسگاہ جامعہ انوار العلوم کے نام سے قائم فرمائی اور تاحیات یہیں سے علم وفن کے گوہر لٹاتے رہے۔ آپ نے اصلاح عام کی غرض سے جگہ جگہ درس قرآن اور درس حدیث کا سلسلہ بھی جاری فرمایا۔ کچھ عرصہ بعد جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں بھی علم کے موتی بکھیرتے رہے۔ حضرت غزالی زماں تحریک پاکستان کے موقع پر بھی علماء ومشائخ کے ہراول دستہ میں شامل رہے۔ آپ نے اکابر علماء ومشائخ کی رفاقت میں قیام پاکستان کے لیے بھرپور سعی کی اور جگہ جگہ جلسے جلوس اور تحریر وتقریر کے ذریعہ قیام پاکستان کی راہ ہموار کی۔ انہوں نے قیام پاکستان سے قبل قائداعظم محمد علی جناح سے عہد لیا تھا کہ ملک میں قرآن وسنت کی بالادستی ہو گی اس کے سوا اور کوئی نظام قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس عظیم مقصد کے حضول کے لیے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے جلسے جلوس میں بھی آپ نے شرکت فرمائی اور بھرپور تقاریر سے تحریک کو پروان چڑھایا۔ آپ نے قرارداد پاکستان کی تجوید وتوثیق کے لیے علماء ومشائخ کے ساتھ بنارس میں ہونے والی

آل انڈیا سنی کانفرنس میں بھی شرکت کی۔ قیام پاکستان کے بعد ملک میں قرآن وسنت کے قانون کے نفاذ کے لیے 1948ء میں جامعہ انوار العلوم ملتان میں ملک بھر کے علماء و مشائخ کا تین روزہ اجلاس طلب کیا جہاں جمعیت علمائے پاکستان تشکیل دی گئی جس کے اول صدر حضرت علامہ ابوالحسنات اور ناظم اعلیٰ علامہ غزالی زماں امام اہل سنت منتخب ہوئے۔ آپ نے تحریک ختم نبوت میں بھی بھرپور حصہ لیا اور 1953ء میں مسلم لیگ کے ایک بہت بڑے جلسے میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے لیے ایک قرارداد پیش کی جس کی سب نے تائید وحمایت کی۔ حضرت غزالی زماں نے دین کی اشاعت کے لیے کئی تنظیمیں قائم کیں۔ 1978ء میں آپ کو اہل سنت کے مدارس کی نمائندہ تنظیم تنظیم المدارس کا مرکزی صدر منتخب کیا گیا 17۔ اکتوبر 1978ء کو مرکزی جماعت اہل سنت پاکستان کے مرکزی صدر منتخب ہوئے 17,16۔ اکتوبر 1978ء کو مرکزی جماعت اہل سنت کے زیر اہتمام ملتان میں کل پاکستان سنی کانفرنس منعقد ہوئی جہاں پاکستان میں نفاذ نظام مصطفی ﷺ کا بھرپور مطالبہ کیا گیا۔ اس تاریخ ساز کانفرنس میں لاکھوں افراد نے شرکت کی جبکہ سینکڑوں کی تعداد میں علماء بھی شریک ہوئے۔ حضرت غزالی زماں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی کی عظیم شخصیت اور ان کی تعلیمات سے بے حد متاثر تھے جس کا اثر ان کی پوری زندگی پر محیط ہے۔ آپ اعلیٰ حضرت سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ دن رات امام احمد رضا کے مسلک عشق کی ترویج و اشاعت میں مصروف رہے۔ آپ اکثر دعا فرمایا کرتے کہ الٰہی مسلمانان عالم کو شریعت وسنت کی اتباع اور حضرت امام احمد رضا کی طرح عشق رسول ﷺ کی لازوال دولت ونعمت سے مالامال فرما۔ آپ بلند پایہ مدرس وخطیب تھے جب درس حدیث فرماتے تو معلوم ہوتا کہ وقت کا سب سے بڑا محدث درس دے رہا ہے۔ جو بھی مضمون آپ پڑھاتے لگتا آپ اس فن کے امام ہیں۔ عشق رسول ﷺ کا وہ دھارا جو امام ربانی مجدد الف ثانی سے امام احمد رضا کو ملا تھا اس سے غزالی زماں بھی فیض یاب ہوئے۔

آپ نے چند کتب بھی تصنیف کیں مگر آپ کا زیادہ رجحان تدریس کی جانب تھا۔ آپ کے علمی کارناموں میں سے ایک بڑا کارنامہ قرآن پاک کا اردو ترجمہ ہے جو کہ البیان کے نام سے معروف عام ہے۔ دنیا آج آپ کے اس علمی ترجمے سے فیض یاب ہورہی ہے اور تا قیامت ہوتی رہے گی۔ آج پوری دنیا میں آپ کا فیض جاری ہے آپ کے لاکھوں جید علماء شاگرد ہیں جو پوری دنیا میں آپ کا مشن عشق رسول ﷺ بڑھا رہے ہیں۔ آپ کا قائم کردہ مدرسہ انوار العلوم بھی علم وعرفان بکھیر رہا ہے۔ آپ کے سلسلہ رشد وہدایت سے وابستہ حضرات آپ کے نام کی نسبت سے اپنے نام کے ساتھ سعیدی لکھوانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

آپ کا وصال مبارک 25 رمضان المبارک 1986ء کو ہوا۔ آپ کا جنازہ ملتان کی تاریخ کا بہت بڑا جنازہ تھا جو سپورٹس گراونڈ میں آپ کے صاحب زادہ جانشین امام اہل سنت علامہ سید مظہر سعید کاظمی نے پڑھایا جس میں پوری دنیا سے جید علماء سیاست دانوں اور مشائخ اہل سنت نے شرکت کی۔

بقیہ: عید الفطر

یہ تکبیر ''اللہ اکبر'' مسلمانوں کا شعار ہے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔مسلمان روزانہ پانچ وقت اپنی نماز میں اسی عظیم کلمے کے ساتھ داخل ہوتا ہے۔

۔۔۔۔۔روزانہ پانچ وقت نماز کے لیے کیے جانے والا اعلان ''اذان'' بھی اسی کلمے سے شروع ہوتی ہے۔

۔۔۔۔۔نماز کی اقامت کا آغاز اسی کلمے سے ہوتا ہے۔

۔۔۔۔۔جانور کو ذبح کرتے وقت مسلمان اسی کلمے کو ادا کرتے ہیں۔

یہ بہت عظیم کلمہ ہے۔۔۔۔۔اللہ اکبر۔۔۔۔۔اللہ اکبر۔۔۔۔۔ہر موقع پر مسلمانوں کی طاقت، موٹیویشن اور اللہ پر یقین محکم کا اعلان ہے۔

مسلمان میدان جہاد کے معرکے میں داخل ہو تو اللہ اکبر کا یہ عظیم ''نعرہ تکبیر'' دشمن کے دلوں میں خوف و دہشت طاری کر دیتا ہے۔

اللہ اکبر۔۔۔۔۔عید کی شان ہے اس لیے اس دن ہر مسلمان یہ تکبیر پڑھتا ہوا عید گاہ کی طرف روانہ ہوتا ہے۔

اَللّٰہُ اَکبر اَللّٰہُ اَکبر لا اِلٰہَ الا اللّٰہُ اَللّٰہُ اَکبر اَللّٰہُ اَکبر و لِلّٰہِ الحَمد

برادرانِ اسلام رمضان متقین کا موسم ہے۔۔۔۔۔صالحین کا بازار ہے۔۔۔۔۔اور بازار میں کاروبار کرنے والا تاجر خاص موسم میں اپنی سرگرمیوں کو تیز کرتا ہے۔۔۔۔۔لیکن وہ اس دکان کو اس خاص موسم کے بعد بند نہیں کر دیتا۔۔۔۔۔رمضان وہ موسم ہے جس میں ہم اپنے دلوں کو تقویٰ وایمان کے مفہوم ومعنی سے بھر لینے کی کوشش کرتے ہیں۔۔۔۔۔دلوں کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ونعمتوں کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔۔۔۔۔رمضان کی عبادات کی مقبولیت کی علامت یہ ہے کہ انسان رمضان کے بعد بھی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھے وہ اپنے رب کے ساتھ استوار ہوئے تعلق کو ٹوٹنے نہ دے۔۔۔۔۔عید کا درس یہ ہرگز نہیں ہے کہ رمضان کے بعد انسان خود کو ہر پابندی سے آزاد سمجھنے لگ پڑے۔۔۔۔۔اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اطاعت ہمیشہ کے لیے فرض کی ہے وہ نافرمانی کو ہمیشہ کے لیے ناپسند کرتا ہے۔۔۔۔۔

ہم مسلمانوں کو عید کے موقع پر اسلام کی نصرت کا عزم کرنا چاہیے۔۔۔۔۔

☆ ایک دوسرے کی مدد کو اپنا اشعار بناؤ۔

☆ چغلی، غیبت اور بہتان کو اپنے دل و دماغ اور زبان سے ختم کردو۔

☆ توحید پر یقین کو پختہ کرو۔

☆ عقیدۂ ختم نبوت پر یقین کامل بناؤ۔

☆ عشق رسول ﷺ کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی اولاد کو نبی کریم ﷺ کی اور اہل بیت کی محبت پڑھاؤ، سکھاؤ اور عمل کرواؤ۔

نبی کریم ﷺ نے ایک روز اپنے صحابہ کی ایک جماعت سے پوچھا سب سے زیادہ کن لوگوں کا ایمان تمہارے نزدیک عجیب ہوسکتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ فرشتوں کا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کیوں ایمان نہ لائیں گے وہ تو اپنے رب کے پاس ہی ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ انبیاء کرام کا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کیوں ایمان نہ لائیں گے جبکہ ان کے اوپر وحی نازل ہوتی ہے۔

صحابہ نے عرض کیا کہ پھر ہمارا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم کیوں ایمان نہ لاؤ گے جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: سنو میرے نزدیک سب سے زیادہ۔۔۔۔۔ایمان ان لوگوں کا ہے جو تمہارے بعد آئیں گے اور کتاب کو پڑھ کر ہی ایمان لائیں گے۔۔۔۔۔ماشاءاللہ۔۔۔۔۔سبحان اللہ۔۔۔۔۔یہ ہے ہماری اہمیت ہمارے رسول ﷺ کے دل میں۔۔۔۔۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے ربّ پر یقین کامل رکھیں اور نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کریں۔

کتاب، علم و تحقیق کا خزانہ

ماسٹر احسان الٰہی

علم و تحقیق کے فروغ اور حصول میں کتاب کو جو اہمیت حاصل ہے۔ اس سے کسی بھی صورت آنکھ نہیں چرائی جا سکتی گو کہ آج کے جدید دور میں کمپیوٹرائزڈ لائف سٹائل نے دنیا کو قریب ترین اور محدود بنا دیا ہے اور علوم وفنون کے رابطوں کی دوریاں سمٹ کر فنگر ٹپ پر آ گئی ہیں مگر حقیقت اس کے برعکس ہے اور وہ یہ ہے کہ علم و ہنر، علم و تحقیق اور علوم وفنون کا خزانہ صرف اور صرف کتاب ہی ہے جس کو علم وفراست میں اضافے کی غرض سے دنیا بھر میں مستند ذریعہ قرار دیا جاتا ہے اور کتاب بینی کے شوق کو پروان چڑھانے کے لیے ہی کتاب میلے، لائبریریز اور مختلف ایسے ایونٹ کرائے جاتے ہیں جن کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ کسی بھی طرح سے انسان اور کتاب کی پرانی دوستی کو بحال کیا جا سکے۔ کتاب کی اہمیت اور کتاب بینی کے شوق کو کس انداز اور سمت سے بڑھایا جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے گزشتہ دنوں ایک رپورٹ سامنے آئی ہے جس میں حکومت پنجاب کو ڈائریکٹر جنرل پنجاب لائبریریز کی جانب سے ایک تجویز پیش کی گئی ہے جس میں کتاب بینی کے شوق کو عوام میں متعارف کرانے اور اس کی اہمیت سے روشناس کرانے کے لیے پورا ایک پروگرام ترتیب دیا گیا ہے جس کے مطابق مجموعی طور پر 192 پنجاب بھر میں لائبریریوں کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔ تحصیل، ضلع اور ڈویژن کی سطح پر لائبریریز مہیا کی جائیں گی اور اس کے علاوہ ہر پبلک پارک میں ایک لائبریری قائم کی جائے گی اور یہ بھی تجویز ہے کہ تمام ہاؤسنگ سوسائیٹیز کو بھی پابند کیا جائے گا کہ جس طرح وہ مسجد، مکتب، سکول، ہسپتال کی سہولت فراہم کرتے ہیں اسی طرح ان پر لازم کیا جائے کہ وہ ہر سوسائٹی میں ایک لائبریری کا بندوبست بھی کریں۔ یہ تجویز بھی دی گئی ہے کہ تمام لائبریریز خواہ چھوٹے رقبے پر تعمیر ہوں یا پارکوں میں بڑی بڑی اراضیوں پر مگر ان کی عمارتوں کا ڈیزائن باہر سے ایک جیسا ہی ہو یعنی جو بھی ان کو جہاں پر بھی دیکھے وہ یہ سمجھ جائے کہ یہ لائبریری ہے۔ کیونکہ علم ہی وہ شعور ہے جو آپ کو دوسروں سے الگ تھلگ بنا دیتا ہے اور علم کا حصول کتاب کا ہی مرہون منت ہے۔

کتاب سے محبت ہی اقوام کی ترقی، ملک کی ترقی اور انفرادی ترقی سے منسلک ہے یہاں تک کہ تمام بحرانوں کا حل بھی کتاب میں ہی موجود ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ کتاب بینی کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے اور فروغِ تعلیم کا اہم جزو کتاب بینی ہی کو قرار دیا جائے۔ کتاب بینی کے شوق پر ایک ماہرِ تعلیم کی بات یاد آ گئی جنہوں نے بتایا کہ کسی زمانے میں کتاب پڑھنے اور پڑھانے کا شوق اس قدر عوام میں مقبول تھا کہ حکومت کی جانب سے ایک ڈبل ڈیکر بس تیار کی گئی تھی جس میں لائبریری سجائی گئی تھی۔ یہ بس ہفتہ وار شہر شہر، گاؤں گاؤں، قصبہ قصبہ بلکہ گلی محلوں کی سطح پر گشت کرتی تھی اور عوام الناس کو ان کی پسند کی کتب دے کر چلی جاتی تھی اور ہفتہ دس دن کے بعد پھر آ کر پرانی کتب وصول اور نئی کتب فراہم کرتی تھی۔ اسی طرز کو آگے بڑھاتے ہوئے گلی محلوں کی سطح پر پیشہ ورانہ لائبریریوں کا قیام بھی عمل میں لایا گیا جو ہر گلی کی نکڑ پر قائم ہوتی تھی اور نئی نسل کے ساتھ ساتھ علوم وفنون کے متلاشی ہر عمر کے فرد کو کتاب کرائے پر دیتی تھی جو گھر لے جا کر پڑھی جا سکتی تھی اور اس کا کرایہ ایک پیسہ یا ایک آنہ مقرر تھا اور یوں اس زمانہ میں کتاب بینی کا شوق ہر گھر میں پایا جاتا تھا اور افراد اپنی صلاحیتوں کو کتاب کے حوالے دے کر منوایا اور متعارف کروایا کرتے تھے۔ آج بھی اسی جذبے کی ضرورت ہے کہ لائبریری کے قیام کو گلی محلوں کی سطح پر پروموٹ کیا جائے جس کے لیے اربوں روپے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی بلکہ اگر ہر گھر سے ایک کتاب بھی بطور ڈونیشن لے لی جائے تو لائبریریوں کی تعداد کم پڑ جائے گی تاہم یہ بات سوچنے کی ہے کہ لائبریری میں کتابوں کا انتخاب کس طرح سے کیا جائے۔ جن کتب اور جن مضامین کی کتب کو عوام کی دلچسپی کا باعث بنایا جائے جس سے ان کے ذوق کے مطابق ان کو کتاب سے محبت کرائی جائے۔ اس سلسلے میں حکومت کو چاہیے کہ وہ دیگر مضامین جن میں بالخصوص سائنس گروپ شامل ہے، کی پروموشن کے ساتھ ساتھ سوشل سائنسز کی ترقی کے لیے بھی کام کرے اور اس کو بھی اتنا ہی مرتبہ اور وقار دے جو سائنس گروپ کو حاصل ہے کیونکہ ہمارے اردگرد گلی محلوں کی بنیاد پر ہونے والی سیاسی بحث اور تبادلۂ خیالات کے موقع پر سب سے زیادہ مستند اور طاقت ور اس فرد کی بات کو ہی تسلیم کیا جاتا ہے جس کو سوشل سائنسز پر عبور حاصل ہو۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کتب بینی کے لیے عمر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے اور نہ ہی کسی ڈگری یا سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ یہ تو علم کو بڑھانے اور تقسیم کرنے کا عمل ہے جو ایک کتاب سے انسان اور ایک انسان سے ایک معاشرہ کو منتقل ہوتا ہے اور پھر ایک قوم کی ترقی کا باعث بنتا ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ کتاب کا متبادل کوئی بھی ذریعہ نہیں بن سکا اور علم کا تمام تر خزانہ کتاب میں ہی پوشیدہ ہے اور اس کا بین اور واضح ثبوت قرآن مجید ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت تک کے لیے رشد و ہدایت کا سرچشمہ اور کامیابی کا پروانہ ہے اور آج سائنس اور دیگر علوم نے جو ترقیاں حاصل کی ہیں اور انسان نے نئی نئی ایجادات اور آسانیاں پیدا کی ہیں،

وہ کتابِ مجید سے راہنمائی کی ہی مرہونِ منت ہیں اور اسی لیے علم کا تمام تر خزانہ کتاب میں ہی پوشیدہ ہے اور کتاب بہت اچھی ہو یا صرف اچھی ہو یا محض کتاب ہی ہو اس میں کوئی ایک بات کام کی ضرور ہوتی ہے جو انسان کی سمجھ میں آجائے تو اس کی قسمت بدل دیتی ہے اس لیے کتاب کا مقابلہ کوئی ذریعۂ علم نہ کرسکا ہے اور نہ کرسکے گا۔

مطالعہ ہر انسان کی زندگی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مطالعہ وہ عمل ہے جس میں انسان کسی خوبصورت فکر، دانائی یا تجربے کو حاصل کرتا ہے۔ یہ عمل انسان کو نئی دنیا دریافت کرتے ہوئے اپنی زندگی بہتر بنانے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ مطالعہ انسانی دماغ کی توانائی کو بڑھاتا ہے۔ یہ انسان کو نئے تجربات اور نظریات کے ساتھ روشناس کراتا ہے جو اس کی ذہانت کو مزید تیز کرتا ہے اور ٹیلنٹ کے اظہار کے لیے بھی مددگار ثابت ہوتا ہے۔

مطالعہ انسان کو درسی تعلیم کے علاوہ عظیم علما، مفکرین، دانشوروں، سائنس دانوں اور فکری شخصیتوں کے تجربات کا حصہ بناتا ہے۔ مطالعہ سے انسان اصولوں اور اعتقادات کا جائزہ لے کر نئی قدریں اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کو دیکھنے پرکھنے کی صلاحیت حاصل کرتا ہے۔ آج کل ہر کوئی اپنی یادداشت میں خلل کا شکوہ کرتا ہے یہی مطالعہ انسان کی دماغی توانائی میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ یہ انسان کی جملہ ضروریات کو بہتر طریقے سے سمجھنے اور استعمال کرنے کی صلاحیت فراہم کرتا ہے۔ مطالعہ مختلف موضوعات کی علمی روشنی بکھیرتا ہے اور انسان کو تشخیص سے بھرپور بناتا ہے۔ مطالعہ ہی ہمیں درست اور غلط اور اچھے یا برے کی تمیز اور فرق جدا کرنے کا ہنر سکھاتا ہے۔ مطالعہ فارغ اوقات کا بہترین مصرف اور دوست ہے۔ مایوسی اور ناامیدی کے اندھیروں میں روشنی کی راہ دکھاتا ہے۔ مطالعہ ہی ہمیں افسانوی خیالات سے نکال کر نئی حقیقت اور درست نقطۂ نظر سے آگاہی دیتا ہے۔ مطالعہ سے بہتر کوئی رفیق نہیں ہے۔ اسی سے ہم دنیا کی نئی نئی ترقیات، نئی نئی تجارتی، صحتی، ادبی، اخلاقی معلوماتی سرگرمیوں اور تمام شعبوں سے روشناسی حاصل کرتے ہیں جو انسان کو کامیابی اور ترقی کی منازل تک پہنچانے میں مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ مطالعہ ہی سے علم و معرفت کے عقدے حل ہوتے ہیں۔ خیالات و تصورات کو جلا ملتی ہے لیکن آج اس کے برعکس لوگ سوشل میڈیا میں بے جا مصروفِ کار ہیں۔ چند پیسوں کے عوض پیج سے لوگ اپنی مرضی کا بیان اپنی اپنی آئی ڈی سے شیئر کرتے ہیں اس لیے آج ہمارے معاشرے میں ہر شخص ذہنی کوفت، مخمصے اور بے چینی میں مبتلا ہے کیونکہ ہم سنی سنائی باتوں کو بلا تحقیق آگے فارورڈ کر دیتے ہیں اور کنفیوژن کا شکار رہتے ہیں لیکن مطالعہ سے انسان کو عملی دنیا کی حقیقت سے واقفیت کی اچھی سمجھ حاصل ہوتی ہے اور شعور اجاگر ہوتا ہے۔

مطالعہ یا کتب بینی کے حوالے سے لائبریری کی تاریخ اتنی پرانی ہے جتنی انسانی زندگی میں علوم وفنون کی تاریخ، اگر دیکھا جائے تو لائبریریاں وہ نرسریاں تھیں جس میں حکمت و دانش کے پودے اگ کر تناور درخت بنے اور دنیا میں علم و حکمت کی شناوری نے جہالت اور بہیمیت کو تباہ و برباد کر کے انسانیت، انسانی ہمدردی، اخوت اور بھائی چارے کو پروان چڑھایا۔ انسانی تاریخ کے مطالعے میں لائبریریوں کی اہمیت مسلمہ حقیقت ہے۔ زندہ قومیں کتابوں سے محبت اور دوستی کی قائل ہیں۔ اسی احساس کے تحت ہم اپنی لائبریریاں آباد کرتے ہیں۔ ماں کی آغوش سے لے کر قبر میں اترنے تک علم حاصل کرنے کی اہمیت اپنی جگہ قائم ہے اسی لیے تو کوئی بھی مکتب ہو وہاں پر نصاب کے علاوہ دیگر تعلیم و تدریس سے مستفید ہونے کے لیے لائبریریوں کا ہونا لازم و ملزوم ہے۔ کہتے ہیں کہ زندہ اور باشعور قوموں کی لائبریریاں آباد ہوتی ہیں تو ان کی جیلیں ویران ہو جاتی ہیں۔ لائبریری علم کا وہ پاور ہاؤس ہے جس سے اس علاقے کے ہر شخص کے ذہن اور روح کو توانائی ملتی ہے۔ علم کی روشنی اور (اقراء) پڑھنے کے مفہوم کو لائبریری کا وجود ہی پروان چڑھا سکتا ہے۔ اسلامی تاریخ کے فاتح سلطان محمود نے جو علم دوست تھا 490 ہجری میں قنوج کی فتح کے بعد جب غزنی واپس آیا تو ایک عظیم الشان مسجد بنوائی جس کے پہلو میں ایک مدرسہ اور اس میں ایک کتب خانہ قائم کیا۔ مغلیہ دور سے پہلے اس دور کے مشہور علما و مشائخ و سلاطین ذاتی رقوم سے کتب خانے تیار کرتے، دہلی کے مشہور بزرگ حضرت نظام الدین اولیا کی خانقاہ میں ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا۔ لائبریری کی اہمیت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ جب بھی کسی قوم نے کسی قوم کو فتح کرنا چاہا تو اس کی عبادت گاہوں کے بجائے اس کے علمی خزانے پر حملہ کیا۔ ہلاکو خان نے جب بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجائی تو کتب خانے جلا دیے۔ یہاں تک کہ تین سے زائد دنوں تک فرات کا پانی اس کی راکھ سے سیاہ اور گدلا رہا۔ قصہ کوتاہ کسی بھی معاشرے میں علم و حکمت کا خزانہ لائبریریوں کو سمجھا جاتا ہے۔ لائبریریوں سے ہی انسانیت کی کھیتی لہلہاتی ہے۔ کہتے ہیں جس ملک کے پارک، سیر گاہیں ویران ہوں تو ان کے ہسپتال آباد ہوتے ہیں، اسی طرح جن ملکوں کی لائبریریاں ویران ہوں اس ملک کی جیلیں اور قانون کے کٹہرے آباد ہوتے ہیں۔

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ علوم وفنون کے میدان میں جتنی اہمیت لائبریری کی ہے۔ خاص طور پر ہمارے ملک میں اس کو اتنا ہی غیر اہم سمجھا جاتا ہے۔ آج کے گلوبل دور میں سوشل میڈیا اور گوگل نے جو اہمیت اختیار کی ہے، بے شک ہم اس کی افادیت سے انکار نہیں کرتے لیکن انٹرنیٹ کے نقصانات سے ہر ذی شعور آشکار ہے۔ اگر مدرسوں میں یا گھر کے ایک کمرے میں بیٹھ کر دنیا فتح کرنے کا ارادہ کیا جاتا تو کیا یہ ممکن تھا؟ ستاروں پر جب تک کمند ڈالنے کے لیے ہم اپنے ذہنی زندان خانے سے باہر نکل کر سیر و سیاحت کے معاملات سے سماجی تعلقات تک اور تاریخ کی ورق گردانی سے تحقیق تک کو مدنظر نہیں رکھیں گے تو یقیناً تاریخ بھی ایک مدت کے بعد مر جائے گی کیونکہ اس کے لکھنے والے اپنی کتابوں کی اہمیت کو نظر انداز کرنے پر دلبرداشتہ ہو جائیں گے، کتابیں موت سے ہمکنار ہوں گی اور لفظ ماتم بن جائیں گے۔ ادیب، محقق، سائنس دان، عالم، معلم اور طالب علم بین کرنے لگیں گے، مدرسے ایک حد تک اپنا کردار ادا کر کے غفلت کی نیند سے کسی کو بیدار کرنے کی خواہش سے بے نیاز ہوں گے اور کتب خانے، علم و ادب و تاریخ قبرستان بن جائیں گے۔

کتاب کی قدر و منزلت اور اہمیت و افادیت کبھی بھی کم نہیں ہو سکتی کیونکہ کتابیں علوم کے ذخائر ہیں اور علوم کے متلاشی ہمیشہ ان ذخائر کی تلاش میں محو جستجو رہتے ہیں۔ کتاب کی تاریخ بتاتی ہے کہ کتاب کو کبھی مٹی کی تختیوں، پیرس کے رول، ہڈیوں، چمڑے یا جھلی کاغذ اور آخر میں الیکٹرانک فارمیٹ ای بکس میں لکھا گیا۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کتاب کی اہمیت

اس وقت بھی کم نہ تھی جب کاغذ موجود نہ تھا۔لہٰذا دورِ حاضر میں جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی بدولت کتاب کی چھپائی صرف کاغذ پر منحصر نہیں رہی بلکہ اب کتاب کو ایک بک کری ایٹر انٹرنیٹ اور بک ریڈر کینڈل ڈیوائس کے ذریعے ڈیجیٹل فارمیٹ میں پڑھا جا سکتا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی نے علم کے ان خزانوں تک رسائی آسان سے آسان تر بنا دی ہے اور کتب کو گلوبل ویلیج سے ہم آہنگ کر دیا ہے اور ای بکس کا سمندر پیش کر دیا ہے جس کی بدولت علم کے پیاسے کما حقہ سیراب ہو سکتے ہیں۔ ایک چینی کہاوت ہے کہ اگر کوئی شخص 10 کتابیں پڑھ لیتا ہے تو اس کا مطلب ہے وہ دس ہزار میل کا سفر طے کر لیتا ہے۔اوُ نس گیلیوس کہتے ہیں: ''کتابیں خاموش استاد ہیں''۔ فرانس کافکا کہتے ہیں کہ ایک کمرہ بغیر کتاب کے ایسے ہی ہے جیسے ایک جسم روح کے بغیر۔ کسی مفکر کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص دو دن تک کسی کتاب کا مطالعہ نہیں کرتا تو تیسرے دن اس کی گفتگو میں وہ لذت اور شیرینی باقی نہیں رہتی جو تاثیر کتاب کے مطالعہ کے دوران ہوتی ہے یعنی اس کا اندازِ تکلم تبدیل ہو جاتا ہے،مقصد یہ کہ کتاب کے مطالعہ سے ہمیں ٹھوس دلائل سے بات کرنے کا سلیقہ و طریقہ آ جاتا ہے اور خود اعتمادی کا جذبہ اجاگر ہوتا ہے۔اسی لیے تقریباً 100 سے زیادہ ممالک میں 23 اپریل کو کتاب کا عالمی دن منایا جاتا ہے جبکہ امریکہ اور برطانیہ میں یہ دن 4 مارچ کو منایا جاتا ہے۔ رواں صدی کے آغاز سے کسی ایک شہر کو کتابوں کا عالمی دار الحکومت بھی قرار دیا جاتا ہے۔ ابتدا میں میڈرڈ تھا اور پھر بالترتیب سکندریہ، نئی دہلی، مونٹریال، ٹورن، بگوٹہ، ایمسٹرڈم اور بیروت دار الحکومت قرار دیے گئے۔ برطانیہ میں اس دن کے لیے مارچ کی پہلی جمعرات کا انتخاب کیا گیا اور اس سے سکولوں کے بچوں میں کتابیں خریدنے کی عادت کو فروغ دیا گیا۔ایک دور تھا جب اندلس اور بخارا علم و ادب کی تہذیب کے مرکز تھے اور ان کی لائبریریاں ہر قسم کی لاکھوں کتابوں سے آراستہ اور مزیّن تھیں اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں عظیم سائنس دان پیدا ہوئے اور انہوں نے پوری دنیا پر حکومت کی لیکن جب ہم نے کتاب سے رخ موڑا اور ہماری کتابوں سے یورپ نے ترجمے کروائے اور ان سے فائدے اٹھائے تو ہم پستی میں چلے گئے اور اب ہم یورپ کے تعلیمی غلام ہیں۔ ہر چھپنے والی اچھی کتب، سائنسی و فنی علوم یورپ اور امریکہ سے ہی پرنٹ ہوتے ہیں اور ہم خریدنے کی بھی سکت نہیں رکھتے۔ پاکستان کے اندر ایک تو شرح خواندگی کم ہے اور دوسرے کتاب کے مطالعہ کو انٹرنیٹ، سوشل میڈیا کی وجہ سے بھی کافی نقصان اٹھانا پڑا ہے لیکن ایک بات خوش آئند یہ بھی ہے کہ قائد اعظم پبلک لائبریری پاکستان کے دل لاہور میں واقع ہے جسے کتابوں کا وائیٹ ہاؤس بھی کہا جاتا ہے۔ باغِ جناح لاہور میں خوبصورت ماحول اور بہترین خدمات کی وجہ سے ایک منفرد مقام رکھتی ہے اور اس میں کتاب دوست اتنے لوگ آتے ہیں کہ اتنی بڑی عمارت ہونے کے باوجود قارئین کے بیٹھنے کی جگہ کم پڑ جاتی ہے۔ اگر آپ قائد اعظم لائبریری لاہور کا وزٹ کریں تو صوبہ سندھ، بلوچستان، خیبر پختونخواہ اور پورے پنجاب سے قارئین موجود ملیں گے۔ اس لائبریری کی ایک خاصیت ہے کہ یہ ایک ریسرچ اینڈ ریفرنس لائبریری ہونے کے ساتھ ساتھ پبلک لائبریری ہونے کا درجہ بھی رکھتی ہے۔ اپنی خوبصورت اور جاذب نظر بلڈنگ کے ساتھ ایک خوبصورت پارک میں واقع ہے۔ جہاں ہر وقت پھولوں کی خوشبو اور مہک کے ساتھ کتابوں کی خوشبو کے ساتھ بھی دمکتی رہتی ہے۔ یہ پاکستان کی واحد لائبریری ہے جس میں سی۔ ایس۔ ایس اور پی۔ سی۔ ایس کی کتابیں ہر وقت میسر رہتی ہیں کیونکہ اس لائبریری سے کتابیں ایشو نہیں ہوتیں۔ اگر پاکستان کے اندر خاص طور پر کتاب کی انڈسٹری پر توجہ دی جائے اور مراعات دی جائیں اور کاغذ کو سستا کرنے، پبلشرز اور مصنف کی حوصلہ افزائی کی جائے تو کتاب سے دوستی کو بڑھایا جا سکتا ہے۔ پاکستان اور ہندوستان ایک ساتھ ہی آزاد ہوئے لیکن ہندوستان میں کتاب کی صنعت کو خاص اہمیت دی گئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہاں دنیا کے بڑے بڑے پبلشرز کے سب آفسز ہیں اور ہندوستان کے پبلشرز نے ان سے کتاب کے پرنٹ کرنے کے حقوق حاصل کیے ہوئے ہیں اور وہاں کتاب پرنٹ ہوتی ہے اور کتاب کے شوقین حضرات کو کتاب آسانی سے کم قیمت پر دستیاب ہوتی ہے بلکہ وہ اس سے باہر کے خاص کر ایشیائی ممالک سے اچھا خاصا زرمبادلہ بھی کماتے ہیں۔ یہ کام پاکستان میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ پاکستان نیشنل بک فاؤنڈیشن اور پنجاب لائبریری فاؤنڈیشن یہ کام کر سکتی ہیں۔ ایک دور میں کچھ کام ہوا بھی ہے لیکن اس کا تسلسل برقرار نہیں رہ سکا۔

ہندوستان میں بھی پبلک لائبریریز سسٹم موجود ہے انہوں نے 1948ء ہی میں پبلک لائبریری ایکٹ منظور کر لیا تھا اور اس پر باقاعدگی سے عمل درآمد ہو رہا ہے لیکن پاکستان ابھی تک ایسا کرنے سے قاصر ہے۔ ایک سروے کے مطابق صرف پنجاب کے اندر تقریباً 300 سے زائد پبلک لائبریریز موجود ہیں لیکن وہ کسی ایک باڈی کے زیر سایہ کام نہیں کر رہی ہیں کچھ لائبریریز ڈائریکٹوریٹ آف پبلک لائبریریز پنجاب کے زیر سایہ کام کر رہی ہیں اور کچھ اٹانومس باڈی کے تحت اور کچھ پنجاب سپورٹس بورڈ کے زیر اہتمام اور کچھ میونسپل کارپوریشن کے تحت ہیں حالانکہ پنجاب میں آرکائیوز اینڈ لائبریریز کو ڈیپارٹمنٹ موجود ہے۔ اگر ان تمام پبلک لائبریریز ڈیپارٹمنٹ آف لائبریریز اینڈ آرکائیوز کے زیر سایہ کر دیا جائے تو لائبریریز کی سروسز کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔صوبائی لیول کی باڈی کے زیر سایہ ہونے سے مطلوبہ اور مثبت مقاصد کا حصول ممکن ہے۔ اگر پنجاب لائبریری فاؤنڈیشن پبلشرز بک سیلرز اور مصنفین کی مالی معاونت آسان قرضہ جات کی صورت میں کریں تو پاکستانی معاشرہ بھی کتاب دوست بن سکتا ہے۔ پاکستانی معاشرہ کو کتاب دوست کیسے بنایا جائے اس کے لیے چند تجاویز عرضِ خدمت ہیں۔

معاشرہ کے اندر خاص طور پر ہماری قوم کے معمار مراد اساتذہ کرام ہیں۔ اگر سکول، کالج اور یونیورسٹی کے طلبا و طالبات کو نصابی کتب کے ساتھ ساتھ کم از کم ہفتہ میں دو دفعہ کوئی ایسی اسائنمنٹ دیں جس کے لیے طلبا کو ہر حال میں لائبریری کا رخ کرنا پڑے۔ اس سے ان کے نالج میں بھی اضافہ ہو گا اور لائبریری اور کتاب سے جڑے رہنے کا بھی موقع ملے گا۔ اس کے علاوہ کتاب دوستی اور کتاب دوست معاشرہ بنانے میں خاص کر پبلک لائبریری کے لائبریرین کا بہت بڑا کردار ہے۔ پبلک لائبریری ایک ایسی لائبریری ہوتی ہے جس میں ہر مکتبہ فکر اور ہر عمر کے قارئین آتے ہیں۔

امیر خسرو کی خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے محبت و وارفتگی

محمد صدیق

حیاتِ صوفیاء کا مشاہدہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس ایسا علم اور رازِ معرفت ہوتا ہے جس نے انسانوں کو بلا لحاظ مذہب و ملت اور رنگ و نسل حق شناسی وحق گوئی پر آمادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے یہ مقرب بندے دنیا مافیھا کی ہر شئی سے بے نیاز ہو کر اپنے وجود کو اللہ کی یاد میں فنا کر دیتے ہیں۔ ان کا مشن انسان دوستی، خلوص ومحبت اور حقیقت شناسی ہوتا ہے، ان کو انسان کے باطن سے سروکار رہتا ہے لہذا ان کا حسنِ اخلاق، حسن سلوک اور حسن تربیت ان کی صحبت میں رہنے والے انسان کو معاشرے کا ایک مثالی فرد بنانے کے ساتھ ساتھ بعض اوقات بیک وقت بہت سی خوبیوں کا مرقع بنا دیتا ہے:

یک زمانہ صحبتِ با اولیا
بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

ان ہی ہستیوں ایک عظیم نام حضرت نظام الدین اولیا کا ہے جن کا سن پیدائش 634ھ ہے۔ جن کی بدولت احکام شریعت وطریقت کی تعلیم پا کر امیر و غریب، بادشاہ وفقیر اور خاص وعام نے توبہ تائب ہو کر فلاح وکامیابی کے حقیقی راستے سے آشنائی حاصل کی۔ مولانا روم اسی حقیقت کی یوں عکاسی کرتے ہیں:

مولوی ہرگز نہ باشد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

جب تک مولانا روم کو شمس تبریزی کی صحبت اور غلامی نصیب نہ ہوئی اس وقت تک وہ فقط مولوی تھے۔ شمس تبریزی کی صحبت نے انہیں مولوی سے مولائے روم بنا دیا۔

بحر حال حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کی دولت اولیاء وصوفیاء کی صحبت ومعیت سے ملتی ہے، خشیت ومحبت الٰہی کا سودا صوفیاء کے بازار میں ہی ملتا ہے۔ یہ سوغات محبت، صحبت صلحاء اختیار کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

ابوالحسن یمین الدین خسرو (1253۔1327ء) بھی ان ہی شخصیات میں سے ہیں جن کو خواجہ نظام الدین کی صحبت میسر آئی۔ آپ ان شخصیات میں سے ہیں جو صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں۔ امیر خسرو کا لقب ابوالحسن اور نام یمین الدولہ تھا عرفیت میں آپ امیر خسرو کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ عظیم شاعر، بہترین نثر نگار، ماہر موسیقی، لائق محبت وفخر بیٹے، شفیق پدر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے مرشد کے جاں نثار اور وفادار مرید بھی تھے۔ ترکوں کا ایک قبیلہ لاچین کے لقب سے مشہور ہے حضرت امیر خسرو اسی قبیلے سے ہیں۔ ان کے والد کا نام سیف الدین محمود ہے ترکستان کے رہنے والے تھے اور اپنے قبیلے کے رئیس تھے جب چنگیز خاں کا فتنہ اٹھا تو سیف الدین ہجرت کر کے ہندوستان میں آ گئے اور سلطان محمد تغلق کے دربار میں بڑے عہدے پر مامور ہو گئے اور ایک مہم میں شہید ہو گئے۔ آپ کی شہادت کے وقت امیر خسرو کی عمر آٹھ برس تھی۔

امیر خسرو کی ہمہ گیر وآفاقی شخصیت کی تشکیل میں حضرت نظام الدین اولیاء کی تربیت کا خصوصی فیض شامل حال ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے والد چونکہ بچپن میں وصال فرما گئے تھے ان کی پرورش ان کے نانا اور والدہ کی سرپرستی میں ہوئی جن سے خودداری، آزادفکری، انسان دوستی، فراخ دلی، حوصلگی اور اعتدال پسندی کا ایسا درس ملا جس کی وجہ سے ان کی فکر میں آفاقیت پیدا ہوگئی اور یہی آفاقیت ان کی علم گیر شہرت کی موجب بنی۔ حضرت نظام الدین اولیا کی صحبت میں امیر خسرو کی صلاحیتوں کو جلا ملی اور وادی عرفان کے سالک کامل بنے اور عشق ومعرفت کی رموز سربستہ سے کما حقہ واقف ہوئے۔ بقول ڈاکٹر سلیم اختر:

''امیر خسرو کے حالات زندگی میں دربار، شاعری، موسیقی اور تصوف تشکیلی عناصر کی مانند نظر آتے ہیں یعنی یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے امیر خسرو''۔

امیر خسرو کی خواجہ نظام الدین سے محبت ووارفتگی

امیر خسرو تمام عمر خواجہ نظام الدین سے اپنی ارادت پر فخر کرتے ہے اور اس کا اظہار ان کی منقبتوں میں دیکھا جا سکتا ہے جو وہ اپنے دواوین اور مثنویوں میں حمد اور نعت کے بعد بالالتزام لکھتے رہے، مثلاً اپنی مثنوی مطلع الانوار میں اپنے پیر ومرشد کے بارے بیان کرتے ہیں:

ہر کہ ز دل دامن پیراں گرفت
گنج بقازیں دہ ویراں گرفت
ناصیہ پیر نہ تنہا ست نور
بلکہ جہانے ست زنور حضور
ناصیۂ پیر نہ تنہا ضیا ست
بلکہ یکے از صفت کبریا ست
چشمۂ خورشید نہ تنہا ضیا ست
بلکہ زمیں را نظرش کیمیا ست

امیر خسرو اپنی روحانی پیر ومرشد کے بارے بیان کرتے ہیں کہ میں نے جو کچھ بھی حاصل کیا ہے یہ سب ان ہی کی توجہ اور نگاہ کی بدولت ہے۔

ایں کہ مرا ہست بخاطر دروں
نقد معانی ز نہایت بروں
نے ز خود ایں ملک اند یافتم
از نظر منعم خود یافتم

اسی منقبت میں مزید بیان کرتے ہیں کہ ان کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی غلامی یعنی مریدی پر فخر ہے اور وہ اس سلسلۂ نظامی میں منسلک ہو گئے ہیں جس کے بعد ان کو کسی آموزگار (معلم، مرشد) کی ضرورت نہیں:

مفتخر از وے بہ غلامی منم
خواجہ نظام ست و نظامی منم
چو نظر مرحمتش گشت یار
نیست مرا حاجت آموزگار

امیر خسرو اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہوئے دست دراز ہوتے ہیں کہ خواجہ نظام کی تعلیم پر عمل کرنے کی سعادت حاصل ہو اور ان کو جو انوار ومعرفت حاصل ہوتے ہیں ان کا کچھ پرتو میرے دل پر بھی پڑتا رہے۔

آپ اپنی مثنوی نہہ سپہر میں دل کھول کر بیان کرتے ہیں کہ ان کو اپنے شیخ کی ارادت میں ایک عظیم

پناہ مل گئی ہے اور وہ راہِ مستقیم پر آ گئے ہیں اور خوش ہیں کہ ان کو ان کے ضمیر کی بدولت ایک رہبر و رہنما اور دستگیر مل گیا ہے۔

ارادت گہ او پناہے عظیم
الفت در ارادت رہے مستقیم
خوش آندم کہ من از اعتقاد ضمیر
گرفتم بہ حق دست آں دستگیر

امیر خسرو خواجہ نظام الدین اولیاء کے بارے کہتے ہیں کہ اس شاہ کا ہاتھ میرے لیے ایک کشتی بن گیا ہے جس کے بعد (روحانیت کا) بحر میرے لیے کھل گیا ہے، میں نے ان کے منہ سے جو لعاب پایا تو اس سے میرے منہ میں میری شاعری میں آب و تاب پیدا ہوگئی اور جو زُلال میں نے پایا اسی کی بدولت (خضر کی مانند) زندہ ہوں، اگر میں اس میں سے دو قطرے دوات میں ڈال دوں تو وہ بحرِ ظلمات میں آبِ حیات بن جائیں اور جب ان قطروں سے ایک قطرہ اپنے قلم میں منتقل کرتا ہوں تو اس سے ایک دریا بہہ نکلتا ہے میرے یہ قطرے (اشعار) سمندر کی طرح ہیں لیکن ان سے اپنے پیر کی صفات کا احاطہ نہیں کر سکتا ہوں، اسی لیے میں اپنے سر کو شرم سے اٹھا نہیں سکتا ہوں جب کہ میں کوشش کرتا ہوں کہ میں نے ان سے جو کچھ پایا ان پر نچھاور کر دوں۔

امیر خسرو ایک فطری شاعر تھے، اپنی صِغَر سِنی میں اساتذۂ فن کے تتبع میں اشعار کہنے شروع کر دیے تھے جو کچھ منظوم کرتے سلطان المشائخ کی بارگاہ میں پیش کرتے آپ اپنی شاعری کے سارے کمالات کو محض اپنے مرشد کے لعابِ دہن کی برکت سمجھتے، ایک بار امیر خسرو نے سلطان المشائخ کی مدح میں ایک منقبت کہی اور جب اس کو سنایا تو حضرت خواجہ نے فرمایا کیا صلہ چاہتے ہو؟ امیر خسرو نے عرض کی کلام میں شیرینی، اس وقت سلطان المشائخ کی چارپائی کے نیچے ایک طشت میں شکر رکھی تھی، آپ نے خسرو سے یہ طشت لانے کو کہا اور اُن سے کہا کچھ کھالو اور کچھ اپنے سر کے اوپر انڈیل لو، اس کے بعد ہی ان کے کلام میں بڑی شیرینی پیدا ہوگئی، امیر خسرو آخر عمر میں افسردہ ہو کر اکثر کہتے تھے کہ کاش کوئی اور بہتر صلہ مانگتا تو وہی پالیتا۔

بہ نہ بحر ازاں جانم راہ شد
چو کشتی مرا دستِ آں شاہ شد
من ازوے لعابِ دہن یافتم
کہ زیں گونہ آبِ دہاں یافتم
زلالم کہ خضر آب جوئے ویست
بداں زندہ ام چو ز جوئے ویست
دو قطرہ کزاں در دوات افگنم
بہ ظلمت در آبِ حیات افگنم
چو آں قطرہ از خامہ را نم بروں
ازاں قطرہ دریا فشانم بروں
شد ایں قطرہا گرچہ دریا نظیر
نگردد محیط صفت ہائے پیر
ولے زیں خجالت نیارم برو
کہ ہم زان اولی نثارم برو
ضمیرش کہ دریائے رحما نیست
دوخان فلک زو یکے خالی است
پذیرائی ایں قطرۂ خویش باد
بریں قطرہ موجش ز در پیش باد

خواجہ نظام الدین کی امیر خسرو سے محبت و شیفتگی

سلطان المشائخ کو امیر خسرو سے جو محبت اور شیفتگی رہی یا امیر خسرو کو اپنے شیخ سے جو فریفتگی رہی، امیر خسرو کے تصوف کی دل آویز اور دلپذیر کہانی کو سیر الاولیاء کے مصنف نے سلطان المشائخ کی زبانی بیان کر کے اس میں عارفانہ رنگ پیدا کر دیا ہے۔

حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مندہ پل کے پاس شیخ نجیب الدین متوکل کے گھر سے متصل دروازہ کے نزدیک موجود ہوں وہاں بہت پاک صاف اور چمکدار چشمہ جاری ہے، خسرو تم ایک بلند دکان پر بیٹھے دکھائی دیتے ہو، بہت خوش اور مسرور نظر آ رہا ہے، میرے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ اس وقت خسرو کے لیے خدا سے وہی چیز مانگوں جو میں چاہتا ہوں، میرا خیال ہے کہ میری دعا قبول کی گئی اور خسرو میں وہی کیفیت پیدا ہوگئی۔ ایک موقع پر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ اگر مجھے جنت میں بھیجا گیا تو میں خسرو کو ساتھ لے جاؤں گا۔

امیر خسرو کو سلطان المشائخ نے ترک اللہ کا خطاب ایک کاغذ پر لکھ کر دیا تھا، خسرو نے اس کو تعویذ بنا کر رکھا تھا اور ہدایت دی تھی کہ اس کو ان کی قبریں رکھ دیا جائے، اسی کی بدولت روزِ محشر ان کی بخشش ہو جائے گی۔

سلطان المشائخ کا طریقہ تربیت

سلطان المشائخ کو یہ خیال رہا کہ کہیں امیر خسرو شعر و شاعری میں الجھ کر نہ رہ جائیں، ان کو شعر و شاعری سے بھی بہتر کام لگایا لہذا آپ کی نصیحت کے مطابق تہجد کے وقت امیر خسرو قرآن مجید کے سات سات پارے تلاوت کرنے لگے، ایک دن سلطان المشائخ نے آپ سے پوچھا ترک! تمہارا کیا حال ہے، خسرو نے جواب دیا کہ اب رات کے آخری حصہ میں گریہ طاری رہتا ہے، یہ سن کر حضرت خواجہ نے فرمایا الحمدللہ اب تم کچھ ظاہر ہونے لگے۔

سیر الاولیاء کے مصنف لکھتے ہیں ایک روز حضرت خواجہ نے امیر خسرو سے کہا کہ معشوقوں کے زلف و خال کے ساتھ اصفہان کے شعراء کے طرز میں عشق انگیز کلام کہا کرو، امیر خسرو نے انہی دلآویز صفات کے ساتھ اپنا کلام کہنا شروع کیا اور اس کو انتہائے کمال تک پہنچا دیا۔ وقت سے ساتھ ساتھ ان کے کلام میں ایسا سوز و گداز پیدا ہوگیا کہ حضرت خواجہ نظام کو اس ترک بچہ کے سوز سینہ پر فخر ہونے لگا اور ان کے اشعار سن کر خدا مست ہو جاتے ہیں، ایک بار امیر خسرو ان کے سامنے اپنی ایک غزل بیان کی اور جب یہ شعر کہا:

رخ جملہ را نمود و مرا گفت تو مبیں
زیں ذوق مست و بے خبرم کیں سخن چہ بود

تو حضرت خواجہ نے نگاہِ محبت سے ان کو دیکھا، بے خود ہو گئے اور ان پر گریہ طاری ہوگیا، حضرت خواجہ فرمایا کرتے کہ قیامت کے روز مجھ سے پوچھا جائے گا کہ کیا لائے تو میں کہوں گا کہ یہ ترک اللہ کا سوزِ سینہ۔

سیر الاولیاء کے مصنف لکھتے ہیں ایک بار حضرت خواجہ جمنا کے کنارے آ کر کھڑے ہو گئے تو دیکھا کہ ہندو اپنے کسی تہوار کے موقع پر جوق در جوق اس خیال سے غسل کر رہے ہیں کہ ان کو ثواب حاصل ہوگا، خسرو بھی ان کی معیت میں تھے، حضرت خواجہ نے ہندوؤں کے مذہبی شغف اور انہماک کو دیکھ کر امیر خسرو سے مخاطب ہو کر فرمایا:

ہر قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے

یعنی ہر قوم ایک راستے پر ہے جو اپنا دین اور قبلہ بھی رکھتی ہے۔ حضرت خواجہ کے سرِ مبارک پر اس وقت ٹوپی کج (ٹیڑھی) تھی، امیر خسرو حضرت خواجہ کی زبانِ اقدس سے یہ مصرع سن کر مست ہو گئے اور فوراً کہا:

من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

یعنی میں نے ٹیڑھی ٹوپی والے کی طرف رخ کر کے اپنا قبلہ سیدھا کر دیا ہے۔

امیر خسرو، خواجہ نظام الدین اور سلاطین دہلی

امیر خسرو کی زندگی کا یہ اعجاز ہے کہ ایک طرف تو اپنے سارے معاصر سلاطین کے ہم راز، محبوب اور ہم

جلیس بھی رہے، معزالدین کیقباد (غیاث الدین بلبن کا پوتا) جیسا رند اور سرمست سلطان بھی ان کا گرویدہ رہا، جلال الدین خلجی ایسا نیک دل فرماں روا بھی ان کا مطیع تھا، علاؤالدین خلجی جیسے رعب اور دبدبہ والا حکمران بھی ان سے مشاورت رکھتا تھا۔ قطب الدین مبارک شاہ خلجی جیسا غیر ذمہ دار سلطان بھی ان کا فریفتہ رہا آپ ان سلاطین کے درباروں میں اس طرح رہے جیسے بھرے ہوئے دودھ کے پیالہ پر گلاب کی پنکھڑیاں رکھی ہوں۔

خواجہ نظام الدین کو کبھی بھی امیر خسرو کا شاہی درباروں سے منسلک ہونے کا شکوہ نہ ہوا اور نہ ہی سلاطین میں سے کسی کو ان سے یہ شکایت ہوئی کہ وہ اپنے مرشد کی نوکری کیوں کرتے ہیں بلکہ آپ نے شاہی درباروں سے منسلک ہونے کے باوجود بھی خواجہ کی نوکری اور غلامی کو اولین ترجیح دی۔ امیر خسرو شاہی امراء اور اپنے روحانی آقا کے مابین پل صراط پر کامیابی سے چلتے رہے، آپ شاہی درباروں، شاہی محلوں میں ہوتے ضرور لیکن آپ کا دل ہمیشہ اپنے مربی ومرشد کے خرقہ وکلاہ میں اٹکا رہتا (ہتھ کم وَل تے دل یار وَل) آپ اپنے شاہی دوستوں کو اپنی مثنوی نگاری، قصیدہ خوانی اور فن موسیقی سے دل جوئی کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے روحانی پیشوا کی خدمت میں منقبت کہہ کر اپنی محبت وعقیدت کا اظہار کرتے ہوئے ادنیٰ خادم کی طرح سوزِ عشق کا درس حاصل کرتے۔

سیرت الاولیاء کے مصنف کا بیان ہے کہ سلطان المشائخ جب عشا پڑھ لیتے تو چھت پر جاتے، وہاں کچھ دیر عبادت کرتے پھر ان کے سونے کے لیے کھاٹ بچھائی جاتی، اس پر بیٹھ جاتے، ان کے لیے تسبیح آتی، اس وقت کسی کو آنے کی اجازت نہ ہوتی، صرف امیر خسرو آتے، وہ ان کے سامنے بیٹھ کر ہر قسم کی باتیں اور حکایتیں سناتے، سلطان المشائخ سن کر ان کی خاطر اپنا سرِ مبارک ہلاتے رہتے، وقتاً فوقتاً پوچھتے رہتے کہ ترک کیا کیا خبریں ہیں اس سے امیر خسرو کو اور بھی فراخ دلی پیدا ہوجاتی، امیر خسرو کچھ پڑھ کر سنانے بھی لگتے، اس وقت چھوٹے بچے، کچھ رشتہ دار اور مولا زادوں کو بھی حاضر ہونے کی اجازت مل جاتی اور وہ پاؤں دابنے لگتے، اسی موقع کے لیے امیر خسرو نے کہا ہے:

نخفت خسرو مسکیں ازیں ہوس شب ہا
کہ دیدہ برکف پایت نہد بخواب شود

غریب خسرو، اس حسرت میں کئی راتوں سے جاگ رہا ہے کہ حضور کے تلووں پر اپنی آنکھیں رکھ کر سوئے

رات کو اپنے روحانی آقا کے ساتھ خلوت آراء ہوتے لیکن دن کو اپنے شاہی آقا کے یہاں پہنچ کر انجمن آرائی کرتے، سیر الاولیاء کے مصنف نے بجا طور پر لکھا ہے کہ ان کا مسلک یہ تھا:

کمر بخدمت سلطاں بہ بند وصوفی باش

امیر خسرو سلاطین دہلی کی درباداری کے لیے کمر بستہ ضرور رہے مگر اسی کے ساتھ شاہراہ طریقت پر بھی بڑی کامیابی کے ساتھ گامزن رہے۔ دربار سے منسلک ہونے کے باوجود امیر خسرو کو اپنے مرشد سے جو قلبی لگاؤ رہا، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے ایک بار ان سے فرمایا کہ میں سب سے تنگ آجاتا ہوں لیکن تم سے تنگ نہیں آتا ہوں، دوسری بار اسی بات کو اس طرح فرمایا کہ میں سب سے تنگ آجاتا ہوں حتی کہ اپنے آپ سے تنگ آجاتا ہوں لیکن تم سے تنگ نہیں آتا ہوں۔

امیر خسرو کی زندگی اس مظہر کی عکاس ہے کہ اپنے نفس کو اپنے قلب پر غالب نہیں ہونے دیا جس سے ان کے قلب کو ایسا سکون حاصل ہوتا رہا کہ وہ اپنے روحانی پیشوا کی رضا اور شاہی امراء کی ملاطفت کے سایہ میں زندگی گزارتے رہے وہ اگر اپنے روحانی مربی وپیشوا کی ہر نفس سے پَرِ کاہ کی طرح کانپتے رہے تو انہوں نے اپنے شاہی امراء کی شان وشوکت اور رعب دبدبہ کے سامنے جھک کر اپنے دین وایمان کا سودا کرنا پسند نہ کیا، جس کا بخوبی اندازہ اس واقعہ سے ہوا جب سطان جلال الدین خلجی کو سلطان المشائخ سے ملنے کی بڑی حسرت پیدا ہوئی مگر حضرت خواجہ نظام سلطان وقت سے ملنا کسی صورت پسند نہیں کرتے تھے، اس لیے سلطان نے بھیس بدل کر امیر خسرو کے ساتھ ان کی بارگاہ میں حاضری کا ارادہ کیا، سلطان وقت نے امیر خسرو سے اس کو راز رکھنے کو کہا، امیر خسرو کے دل میں گرانی اور طبیعت پر بوجھ محسوس کیا کہ راز افشاں ہونے کے بعد کہیں ان کے مرشد ومربی کو گرانی اور ناگواری نہ ہو، اس لیے سلطان کی حکم عدولی کے باوجود اپنے مرشد کو سلطان کا ارادہ بتادیا جس کے بعد حضرت خواجہ شہر چھوڑ کر اپنے مرشد کی زیارت کے لیے اجودھن کی طرف روانہ ہوگئے، سلطان کو خبر ہوئی تو امیر خسرو سے باز پرس کی کہ یہ راز کیوں فاش کیا، امیر خسرو نے ایمانی قوت سے سلطان کو یہ جواب دیا کہ اگر آپ رنجیدہ ہوتے تو زیادہ سے زیادہ میری جان کا خطرہ ہے لیکن مرشد آزردہ ہوتے تو میرے ایمان کا خطرہ تھا، سلطان کو یہ جواب بہت پسند آیا۔ امیر خسرو کی روحانی زندگی کا راز اسی میں ہے کہ ہر حال میں اپنے ایمان کو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھا۔

سید صباح الدین عبدالرحمٰن مولانا ضیاء الدین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''امیر خسرو جیسا مادر عالم اگر محمود یا سنجر کے عہد میں ہوتا تو ظاہر اور غالب ہے کہ یہ بادشاہ اس کو ولایت اور اقطاع انعام میں دے دیتے پھر ان کے شاعرانہ کمالات کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

عہد علائی میں شعراء بھی ایسے تھے کہ ان کے بعد بلکہ ان سے پہلے بھی زمانہ کی آنکھ نے ان کی مثل کوئی شاعر نہیں دیکھا تھا، خاص طور پر امیر خسرو جو قدیم اور نئے سب شاعروں کے خسرو یعنی بادشاہ ہیں جو اختراع معنیٰ، تصنیفات کی کثرت اور رموز غریب کے اظہار میں اپنا نظیر نہیں رکھتے، اگر دوسرے اساتذہ نظم اور نثر کے ایک دو فن میں بے مثال ہوتے تو امیر خسرو جملہ فنون میں ممتاز اور مستثنیٰ حیثیت رکھتے تھے، ایسا صاحبِ فن کہ جو شاعری کے جملہ فنون میں استاد اور سرآمد مانا گیا ہو، نہ گزشتہ زمانہ میں گزرا ہے اور نہ بعد کہ زمانہ میں قیامت تک کبھی پیدا ہوگا یا نہیں''۔

حقیقت میں امیر خسرو ان تمام اوصاف، فضل و کمال اور فصاحت فن و بلاغت کے ساتھ مستقیم الحال صوفی بھی تھے، ان کی عمر کا بیشتر حصہ صوم وصلوٰۃ اور قرآن خوانی میں گزرا، وہ مستعدی اور لازمی عبادات میں یکتا تھے اور ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، وہ خواجہ نظام الدین کے خاص مریدوں میں تھے، عقیدت مندی میں بے مثل، عشق ومحبت الٰہی میں مست، صاحبِ سماع اور صاحبِ حال ووجد۔

استفادہ

حیات خسرو (شبلی نعمانی)، سیر الاولیاء (سید محمد بن مبارک کرمانی)، سفینۃ الاولیاء (داراشکوہ، ترجمہ: وارث کامل)
سید صباح الدین عبدالرحمٰن (امیر خسرو بحیثیت صوفی)

برتلاش خود چہ می نازدو کہ رہ سوئے تو برد

حافظ شیخ محمد قاسم

سچائی، بھلائی اور خیر کی تلاش انسان کی فطرت ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ انسانی منزل ہے۔ طلب خود انسان کو سائل بنا دیتی ہے۔ میں بلاشبہ بہت چھوٹا انسان ہوں اور یہ کہنا میرے لیے مشکل ہے کہ جستجو اور دریافت کبھی میری منزل رہی۔ میری کہانی تو یہ ہے کہ شاہ جی نے جن دنوں عزیز آباد میں مسلم پبلک اکیڈمی بنائی اور اس میں دور دراز سے آنے والے طلبہ کے لیے دار الاقامہ بنایا گیا۔ والد گرامی نے تعلیم وتربیت کے لیے مجھے سرسید سکول سے نکال کر مسلم پبلک اکیڈمی میں ڈال دیا۔ سکول میں تحفیظ القرآن کے شعبے میں مجھے پہلا طالب علم بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ میری بدقسمتی کہ مغل آباد کی ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گیا تو صوفی الفت نامی ایک شخص ملا۔ اس نے علماء، صوفیاء اور قرّاء کے خلاف میرے ذہن میں نفرت بھرنے کی کوشش کی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض جدت گزیدہ لوگ دین دار لوگوں کی مخالفت کرنا فیشن سمجھتے ہیں۔ صوفی الفت کی بولی ٹھولی تو مجھے متاثر نہ کر سکی البتہ وہاں کا رہائشی ایک لڑکا روزانہ وسوسہ زنی کرتا اور مجھے سمجھاتا کہ قرآن حفظ کر کے کیا کرو گے؟ قرآن حکیم کی تحفیظ تو میرا مقدر تھا اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور میری تعلیم جاری رہی، البتہ اتنا ضرور ہوا کہ میں تنہائی کے ہاتھوں مضروب ہو گیا اور لگتا جیسے میں دار الاقامہ میں ایک قیدی ہوں، جسے بطور سزا تنہائی کی قید سنا دی گئی ہے۔ اس دور میں واقعی میری شامیں اور میری صبحیں افسردگی کے بوجھ تلے دب گئیں۔ اب میرے لیے وابستگی کا سامان صرف اتنا تھا کہ شام مغرب کی نماز کے بعد شاہ جی جب محبوب سبحانی کے گھر تشریف لاتے وہاں سید فرحت عباس، ڈاکٹر ضیاء، ڈاکٹر ظفر اقبال نوری، ڈاکٹر طارق، نبی بخش لودھی، صادق توکلی، ڈاکٹر اظہر نعیم جمع ہوتے اور خوب محفل جمتی۔ میں چھوٹا ہونے کی وجہ سے دور دور ہی سے دیکھتا رہتا اور محبوب سبحانی کے بھائی ارشد کے ساتھ کھیل ہی میں محو رہتا، جب کبھی گیند اچھل کر محفل کے درمیان جا گرتی اور شاہ جی فوراً اپنے آپ کو دائرہ احباب سے نکال لیتے اور گیند اٹھا کر مجھے پکڑا دیتے اور میرے ساتھ اتنا پیار بخشتے کہ آہستہ آہستہ میری دلچسپی کھیلنے سے زیادہ شاہ جی سے وابستہ ہو گئی اور شاہ جی جب اٹھ کر چلے جاتے تو رات کی تہ در تہ ظلمتوں میں جیسے شاہ جی چاندنی کی طرح میرے ساتھ رہتے ہوں۔ اس وقت مجھے اندازہ نہیں تھا کہ گیند اٹھا کر تھمانے والے شاہ جی زندگی کے عمیق اور بے کنار سمندر میں میری کشتی کے ملاح بن جائیں گے۔

شاہ جی کا کوئی عقیدت مند میرے سر پر لٹھ نہ دے مارے۔ میرے لیے وہ دن بہت بار آفرین ثابت ہوا تھا جب شام کے وقت ٹافیاں، مٹھائی، گلاب جامن اور رس ملائی کھلانے والے شاہ جی مجھے 22 نمبر چونگی کی مرکزی جامع مسجد میں ساتھ لے گئے، وہاں جو میں نے دیکھا خطبہ، تقریر، امامت اور بعد ازاں دست بوسی۔ شاہ جی کی زندگی کا یہ پہلو کم از کم ابھی تک میری آنکھوں سے اوجھل تھا اور یہ لفظ میں ذرا مشکل میں الجھ کر لکھ رہا ہوں کہ اس دن شاہ جی مجھے اچھے نہیں لگے تھے اس لیے کہ میں سمجھتا تھا شاید شاہ جی مجھے ہی اچھے لگتے ہیں۔ کل کی طرح آج بھی میں اس غلط فہمی یا خوش فہمی کا شکار ہوں لیکن صحیح بات اس وقت بھی یہی تھی اور آج بھی یہی ہے کہ شاہ جی کسی ایک فرد کی متاع نہیں بلکہ سرمایۂ انسانیت ہیں۔

ایک رات میں مسلم پبلک اکیڈمی کے چھوٹے سے دار الاقامہ میں سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ وارڈن تشریف لائے اور فرمایا گرمی زیادہ ہے لہٰذا عقبی دروازے سے مکان کی چھت پر چڑھ جائیں اور اوپر ہی سو جائیں۔ ارشد، میں اور ایک لڑکا غالباً اس کا نام شاہد تھا تینوں اپنی اپنی چارپایوں پر سو رہے تھے کہ اچانک میری آنکھ کھل گئی، میں نے دیکھا کھلے آسمان پر چاند روشن ہے اور ستارے جیسے آپس میں کھیل رہے ہوں۔ مجھے پوری دنیا سپرنگ کی طرح گھومتی ہوئی محسوس ہوئی اور فضا میں لگا جیسے پرندوں کا چہچہانا رس گھول رہا ہو، میں نے ارشد اور شاہد کو دیکھا وہ بے سدھ سو رہے تھے بلکہ میں یہ کہوں تو بے جا نہیں جیسے وہ ادھ موئے پڑے تھے۔ دل میں کچھ خوف سا بھی پیدا ہوا، لیکن فوراً آسمان کے ایک ستارے نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرا دی، دیکھا کہ وہ تنہا اور مسلسل باقی ستاروں سے زیادہ روشنی دے رہا ہے۔ اچانک سر کی جانب جیسے پاؤں کی چاپ سنائی دی اور میں نے چادر تان لی، دل میں سوچا مجھے میرے والد صاحب نے کہاں لا چھوڑا ہے۔ پریشان خیالی صراط مستقیم سے بھٹکانے لگی تو مجھے شاہ جی کی آواز آئی قاسم بیٹے! کیوں نیند نہیں آ رہی؟ جھٹ سے میں اٹھ بیٹھا اور شاہ جی محبوب سبحانی کے ساتھ میری چارپائی پر آ بیٹھے اور پھر چاند کو دیکھ کر شاہ جی نے شعر وسخن میں روحانی مضراب کی تاروں پر محبت الٰہیہ کے نغمے چھیڑ دیے، بعد ازاں جائے نماز منگوائی اور چند نفل پڑھنے کے بعد مجھے کہا قاسم بیٹا کوئی نعت تو سناؤ اور پھر مستقل میری رہائی کا اعلان ان الفاظ میں کیا:

”محبوب سبحانی! ایک بچے کی تربیت کے لیے از حد ضروری ہے کہ اس کا دماغ اور دل اوہام، پریشان افکار، الجھنوں اور دکھ دینے والے خیالات سے آزاد ہو۔ قاسم کو حاجی صاحب نے ہوسٹل میں ڈال دیا ہے لیکن اس کا چہرہ بتاتا ہے کہ یہ تنہائی کا شکار ہے۔ ذہنی الاؤ کی اس تپش میں یہ بچہ کیسے پڑھے گا۔ حضور ﷺ تو بچوں کو نماز میں بھی خود سے جدا نہیں فرماتے تھے۔ بہتر یہی ہے کہ یا تو ہوسٹل میں بچوں کی تعداد بڑھاؤ یا پھر قاسم کو گھر چھوڑ آؤ، یہ گھر سے آیا جایا کرے، تعلیم ضروری ہے لیکن تربیت اس سے بھی زیادہ ضروری ہے“۔

شاہ جی نے فیصلہ کر دیا کہ تعلیم کے دوران گھر سے آیا جایا کروں۔ دارالاقامہ کو چھوڑنے کا ہرگز یہ مطلب نہ تھا کہ مجھے ''حفظ القرآن'' کی جنت چھوڑنی تھی فرق صرف اتنا پڑا کہ مجھے ''ایمز'' میں خبایان سر سید رپورٹ کرنے کو کہا گیا۔

ایمز شاہ جی کی سرپرستی میں چلنے والا عظیم سکول اور کالج ہے، جہاں سے سینکڑوں حفاظ اور علمائے کرام فارغ ہو کر قوم اور ملت کی خدمت پر مامور ہیں۔ خیابان سر سید میں ایمز کا طالب علم بننے کے بعد مجھے ایک اور اعزاز ملا کہ شاہ جی کے صاحبزادگان سید فیصل ریاض اور سید نعمان ریاض اور آپ کا بھتیجا سید افتخار ہم سب اکٹھے ہو گئے اور بالکل اوائل عمر میں شاہ جی کے ساتھ میرا رشتہ مستحکم ہو گیا اور ہم سب بلا واسطہ شاہ جی کی زیر نظر رہنے لگ گئے۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے چھوٹے ہونے کی وجہ سے محفل اپنے در پر دستک دینے سے مانع رہتی لیکن پھر بھی شاہ جی کی زیارت صبح شام اور دوپہر بلکہ ہر وقت ممکن رہتی تھی۔ ایمز کے پرنسپل سید مظہر سجاد گیلانی تھے جنہیں بلاشبہ ایمز کا باوا آدم کہا جا سکتا ہے۔ وہ کبھی کبھی چھٹی کے وقت ہم سب سے پوچھ لیتے کہ آج سب سے زیادہ کس بچے نے شاہ صاحب سے ہاتھ ملایا ہے۔ ہم سب ہارنے والوں میں ہوتے۔ شیخ احمد اور شیخ شیراز جیتنے والے طلباء میں ہوتے۔ عشاء کی نماز کے بعد ایمز کے لان میں ہلکی پھلکی محفل ادب سجتی اور اس کی خاصیت یہ ہوتی کہ شاہ جی خود اس محفل میں گفتگو فرماتے۔ ایک مرتبہ اسی محفل میں دنیائے ادب کے مایہ ناز استاد پروفیسر رحیم بخش شاہین تشریف فرما ہوئے، ہم نے شاہ جی کو اپنے استاد کے سامنے پیکر ادب بلکہ کشتہ ادب بنا ہوا دیکھا، لگا جیسے شاہ جی کے منہ میں زبان ہی نہیں۔

سنیے تو پروفیسر رحیم بخش شاہین نے ہمارے شاہ جی کے بارے میں کیا فرمایا۔ اس عمر میں سخن فہمی ہمارے لیے مشکل تھی، شاہین صاحب کی باتیں ''ٹیپ'' سے محفوظ کر کے نذرِ قارئین کی جا رہی ہیں:

''عزیز طلبہ! مجھے اس نور نگر میں پھولوں کی طرح مہکتی محفل کے اندر آپ کے شاہ جی اور اپنے شاہ جی کی معیت میں کچھ کہنا اچھا سا لگ رہا ہے سید صاحب کالج میں میرے ''سٹوڈنٹ'' رہے اگرچہ طلبہ یونین کے یہ صدر بھی رہے لیکن ان کے رہنے سہنے سے مجھے اچھی طرح پتہ چل گیا تھا کہ یہ لڑکا مستقبل میں عظیم انسان بن جائے گا چنانچہ درس نظامی کے عظیم اساتذہ سے جس وقت ریاض صاحب مستفید ہو رہے تھے میری زیر نگرانی لکھنے کی مشق کرتے تھے۔ میری بعض تحریروں پر شاہ جی نے بے لاگ تبصرہ بلکہ تنقید کی اور جہاں تک میرا تعلق ہے میں نے بلاشبہ ان کی تحریروں میں ''شذرہ قراضی'' کی لیکن میرا یقین تھا کہ شاہ جی لکھتے رہے تو آئندہ کسی وقت یہ چوٹی کے قلم کار ہوں گے اور میرا جرم بھی معاف ہو جائے گا۔ اقبال، عبدالقدوس ہاشمی اور اپنے استاد عارف سیالکوٹی اور چند دوسرے علماء کے بعد علامہ، میں نے صرف ریاض صاحب کے لیے لکھا ہے ہاں میں کل کی طرح آج بھی ان سے یہی کہوں گا کہ طبیعت سے تصلب اور یک فرقہ خواہی نکال دیں تو ان کے گلہائے ادب میں مزید شگفتگی پیدا ہو جائے گی''۔

پروفیسر رحیم بخش شاہین تشریف لے گئے اور شاہ جی نے فرمایا میں جو کچھ بھی ہوں اللہ کے فضل، حضور ﷺ کی نظر، پیر و مرشد کی توجہ اور ماں باپ کی دعا سے ہوں۔ میرے تمام استاد قابل قدر ہیں لیکن میرے اندر لکھنے کی شدھ بدھ شاہین صاحب ہی کی محنت کا نتیجہ ہے اس موقع پر شاہ جی نے انکشاف کیا۔ معروف ڈرامہ نگار ڈاکٹر محمد اسلم قریشی بھی میرے استاد ہیں اور مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کی ڈاکٹریٹ کا مقالہ ڈرامے کا تاریخی اور تنقیدی پس منظر میں نے من و عن اپنے قلم سے فئر کیا۔ شاہ جی نے فرمایا ایک مرتبہ ڈاکٹر شاہین کی وجہ سے انہوں نے سیالکوٹ میں ایک محفل مشاعرہ میں شرکت کی۔ عارف سیالکوٹی، رحمان کیانی، سید ضمیر جعفری، سید عبدالحمید عدم اور قتیل شفائی اکابر شعراء شریک محفل تھے۔ مجھے شاہین صاحب نے غزل پڑھنے کا حکم دیا۔ مشق، ریاضت اور شعروں میں ابھار نہ ہونے کی بنا پر یا اکابر کی موجودگی کی وجہ سے گریزاں ہوا۔ اس میں شک نہیں بزم میں اہل نظر بھی تھے، تماشائی بھی، سید عبدالحمید عدم چونکہ میرے ماموں سید معصوم شاہ گردیزی کے استاد تھے اور ماموں سید مقصود شاہ ان سے دامادی کا رشتہ بھی رکھتے تھے اس لیے ان کی نصیحت کام آئی ''گونگے نہ بنو بولو اور کہو اور لکھو بھی'' اس طرح گاڑی چل گئی اور چھوٹا سا شاعر بن گیا لیکن پیر و مرشد نے پابندی لگا دی اس لیے شاعری سے نثر نگاری کی طرف ہجرت کر لی۔

شاہ جی اب شاعر نہیں لیکن کبھی کبھی ان کی آنکھوں میں کوئی بال بکھرا شاعر دیکھا جا سکتا ہے۔ لطیف لمحوں کی دہلیز پر شاہ جی صوفی اور شاعر ہونے کی درمیانی حالت میں سوہنڑے بڑے لگتے ہیں، اگر ہواؤں اور فضاؤں میں اس ماحول کی خوشبو بکھر جائے تو پھر شاہ جی کے ڈیرے پر شاعروں اور محبت کرنے والوں کا ہجوم دیکھا جا سکتا ہے۔

ایک خوبصورت سہ پہر میں ایمز کے لان میں شاہ جی کے ساتھ میں نے کرسیوں پر چار بابے بیٹھے دیکھے پوچھا تو پتہ چلا حافظ لدھیانوی، حفیظ تائب، ڈاکٹر ریاض مجید اور ان تینوں نعت گو شعراء کی نعتیں پڑھنے والا ثناء اللہ بٹ بیٹھا ہے۔ دھوپ برستے ماحول میں آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات میں یہ لوگ اتنے اچھے لگے کہ ہم بھی دردمندوں کی محفل کا حصہ بن گئے، میں کسی محفل میں جب بھی تائب اور حافظ کی نعتیں سنتا ہوں تو شاہ جی کی محفل میں وہ سہانا وقت یاد آ جاتا ہے جب روبرو تائب سے حضور ﷺ کی نعت سنی تھی اور حافظ کو روتے دیکھا تھا اور حافظ سے نعت سنی تھی تو شاہ جی، تائب اور ریاض مجید کو روتے دیکھا۔ عشق کے بیماروں کی محفل میں رہنا بڑی بات ہے، دعا ہے شاہ جی کے قدم نصیب رہیں اور محبتوں کے رنگ برستے رہیں۔

رب راکھا

Al Hamd Acadmy Of Science and Arts

FSC,ICS,ICOM,FA IT,FA
Classes start from
6th May 2024

Boys and Girls
Separate Classes

Principal
Sir Ali Adnan
0324-4024242

Near Universal Girls School Main Bazar # 2 Chungi Amer Sidhu Lahore